ماہنامہ

براہِ راست

لاہور

جلد 11 شمارہ 12

دسمبر 2025ء

حماس
کو غیر مسلح کرنا۔۔
ایک مسئلہ

یہ گھڑی ہے محشر کی اور۔۔۔

عراق کویت جنگ کی ڈیتھ ہائی وے اور موت کی وادیاں

اقوام متحدہ کی اسرائیل کو کلین چٹ

فلسطینیوں کے ساتھ
اظہارِ یکجہتی کا عالمی دن
کیا اب کوئی معنی رکھتا ہے؟

عرب حکومتیں غزہ مخالف کیوں؟

Gaza
is victorious
despite the pain
غزة
غزه ما لخت لخت
زخمی
روح و دل تازه دم

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام یعنی (خانہ کعبہ) سے مسجد
اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم
اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

ماہنامہ

براہِ راست

لاہور

جلد 11 شمارہ 12 دسمبر 2025ء

مُدیر: مرزا محمد الیاس

ویب سائٹ: www.barah-i-rast.com
برقی پتہ ادارتی امور: editor@barah-irast.com
برقی پتہ انتظامی امور: contact@barah-i-rast.com

Price Rs.70

پبلشر مرزا محمد الیاس نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر 9/1A رائل پارک لاہور سے شائع کیا

اس شمارے میں

- کلام اقبال
- اداریہ

تعمیرِ نو۔۔غزہ یا ساحلی تفریح گاہ؟

29 نومبر: فلسطینیوں کے ساتھ اظہارِ یکجہتی کا عالمی دن

ظہران محمود ممدانی: میئر نیویارک منتخب

حماس کو غیر مسلح کرنا۔۔ایک مسئلہ

- سلامتی کونسل نے اسرائیل کو کلین چٹ دے دی
- عرب حکومتیں فلسطین مخالف رَوِش ترک کر سکیں گی؟
- اسرائیلی قابض فوج میں خوف اور موت کی حکمرانی
- تباہ حال غزہ کے کلاس روم اور بکھرے اساتذہ
- ’’برہنہ جسم پر آہنی کرسی پر برقی جھٹکے‘‘
- ’’صہیونی جلاد کہتے تم بھول جاؤ کہ تم انسان بھی ہو‘‘
- اسرائیل کا مؤثر جواب دینا ہوگا، صنعتی بائیکاٹ کرنا ہوگا
- 153 فلسطینی غزہ سے جنوبی افریقہ کیسے پہنچائے گئے!

کلامِ اقبال

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
اس قدر ہوگی ترنم آفریں باد بہار
نکہت خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائے گی
آ ملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک
بزم گل کی ہم نفس باد صبا ہو جائے گی
شبنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و ساز
اس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہو جائے گی
دیکھ لو گے سطوت رفتار دریا کا مآل
موج مضطر ہی اسے زنجیر پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی
نالۂ صیاد سے ہوں گے نوا سامان طیور
خون گلچیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

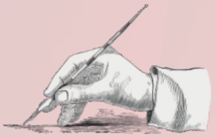

ادارِیہ

یہ گھڑی محشر کی ہے اور۔۔۔

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے اس امر کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا ہے کہ وہ فری سٹائل ریسلنگ کے پروفیشنل پروموٹر کی طرز پر غیر سنجیدہ اور فری سٹائل سیاست و سفارت بھی کرتے ہیں۔اس نوعیت کے پروموٹر سے ہی یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ ''آرٹ آف ڈیل'' جیسی کتاب کا مصنف کہوائے۔ حیرت تو یہ ہے کہ، جیسا کہ گذشتہ نوٹ میں لکھا گیا تھا کہ وہ غزہ میں ثالث نہیں، متحارب فریق ہیں۔اس حیثیت میں انہیں یہ استحقاق ہی نہیں تھا کہ وہ ثالث بنیں اور ٹرمپ امن پلان پیش کریں، اسے منوانے کے لیے حماس کو نابود obliterate کرنے کے بیانگ دہل پیغامات دیں، اصل جارح یعنی اسرائیل کی پیٹھ ٹھونکیں جس طرح وہ اپنی پسند کے ریسلر کی پیٹھ ٹھونکتے رہے۔انہوں نے نام نہاد اور خود ساختہ امن پلان دیا۔

اس امن پلان کا عمل درآمد مرحلہ مصر کے دارالحکومت سے کہیں دور تفریحی مقام شرم الشیخ میں طے ہوا۔ اسے جنگ بندی کا عندیہ قرار دیا گیا۔اس سے قبل اسرائیل کو بھرپور موقع دیا گیا کہ وہ غزہ سٹی پر قبضے کی خوش خبری پیدا کر سکے۔

یہ خیال خام تھا جو اسرائیل کو کھا گیا۔قبضہ تو درکنار، کسی ایک پرعزم فلسطینی مرد، عورت، جوان یا بوڑھے کو پانچ ہزار ڈالر لے کر صومالیہ، صومالی لینڈ تو بہت دور تھے، اردن، عراق، مصر یا شام ہجرت، بل کہ نام نہاد رضا کارانہ اور درحقیقت جبری ہجرت پر بھی مجبور نہ کر سکا۔

اس کے بجائے کٹے ہوئے فلسطینی اپنے گھروں کو پلٹے، ملبے کھودتے رہے، اپنے پیاروں کے مدفن اپنی انگلیوں سے ہٹاتے رہے، لاشیں برآمد کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے شناختی کارڈ، ڈومی سائل، پاسپورٹ، اپنی حنوط شدہ اسناد، ڈگریاں، ملازمت نام، کاروباری معاہدے اور اپنی تاریخ کے حوالے تلاش کرتے رہے۔وہ یہ دستاویزات اس لیے تلاش نہیں کر رہے تھے کہ کسی جبری، رضا کارانہ ہجرت کے لیے اپنے اہل غزہ ہونے کے ثبوت فراہم کر سکیں۔وہ تو اپنے جگرِ لخت لخت کے پارچات تلاش کرتے رہے تا کہ دنیا دیکھ سکے کہ یہ غزہ کے اصلی اور سچے وارث!

اقوام متحدہ میں پیش اور منظور کی گئی قرارداد کا خلاصہ یہ ہے کہ اسرائیل، صہیونیت، بنیامین نیتن یاہو، ایٹنی بلنکن، جو بائیڈن، کملا ہیرس، مارکو روبیو، سٹیو وٹکوف سب مظلوم ہیں۔غزہ کا نوزائیدہ بچہ، حلقوم سے محروم بچہ، کتوں کی خوراک بننے والا، نوجوان اسرائیلی درندوں کی ہوس کا نشانہ بننے والی لڑکی، غزہ کے لیے دھکے کھاتے مارا جانے والا نوجوان، تنہا کر دی جانے والی بہنوں کا اکلوتا بھائی، اپنے بچوں کے ترستے حلقوم میں پانی کے دو قطرے ڈالنے کا آرزومند باپ، اپنی آزادی کی خاطر لڑنے والا جوان، یہ سب ظالم ہیں، یہ دہشت گرد ہیں۔انہوں نے امریکہ کی جنگی مشینری، یورپی یونین کے 24 ممالک کی اندھی گولیوں کے سامنے ڈٹ جانے کی جسارت کی ہے۔یہ مظلوم ہیں، ان کا خاتمہ ہونا چاہیے۔

اگر آپ گذشتہ صدی کے آغاز سے بات شروع کر لیں تو فرانس کے وزیر داخلہ میجر جنرل خالد نذر، الجزائر کے صدر شاذلی بن جدید، صدر بوضیاف کے دس سال کے ان ظالموں کی داستان پڑھ لیں، تیونس کے بن علی، موریطانیہ کے حبیب بورقیبہ، مصر کے حسنی مبارک، شام کے حافظ الاسد اور پھر بشار الاسد، لبنان کے رفیق حریری اور دیگر کے خوفناک عزائم اور انہی عالمی قوتوں کے ہی ایماء پر اپنے ہی عوام کے قتل عام اور پھر زمانۂ حال کے جنرل ابوالفتاح السیسی، پاکستان کے شریف برادران، جرنیل صاحبان، ہوس ملک گیری کے ترجمان کسی بھی داستان عزیمت و ہزیمت پڑھ لیں۔شرم الشیخ میں ڈونلڈ ٹرمپ کی بانہوں میں بانہیں ڈالنے، نیتن یاہو سے ہنس ہنس کر، ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے پورے 32 دانتوں کو کھول کر اپنے ہی عوام کو کھا جانے کا عزم ظاہر کرنے والے متعدد مسلم اور عرب حکمرانوں کے اوراق بہیمت پڑھ لیں تو بہت آسانی سے معلوم پڑ جائے گا کہ یہ سب کیا تھے، کیا ہیں اور کیا ہوں گے؟

آج قرآن یہ فیصلہ دیتا ہے کہ یہود و نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، تمہارے میں تو سچائی دستک دیتی ہے کہ ہاں یہی حقیقت ہے۔آج بنیامین نیتن یاہو کو برطانیہ طلب کیا جاتا ہے، اسحاق ہرتصوغ کو کہا جاتا ہے کہ آؤ مسلمانوں کے سوگ کا نظارہ کر لو، نیتن یاہو کو عالمی پابندیوں کے باوجود واشنگٹن مدعو کیا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے: ڈومور، ڈومور تو دوسری طرف عربوں سے کہا جاتا ہے: ڈوب مرو، ڈوب مرو، تو اس میں غلط ہی کیا ہے۔تاج سلطانی کے بجائے ہم تاج سردارا سجانے کو ہم امریکہ یاترا جاتے ہیں تو پھر وہ کون سی آغوش تھی جس نے وہ کردار دیے تھے کہ۔

یہ غازی، یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں بخشا ہے تو نے ذوق خدائی

فلسطین کے اٹوٹ انگ غزہ نے ذواق خدائی کا اظہار یوں کیا ہے کہ ہم کٹ تو سکتے ہیں، مر بھی سکتے ہیں، لیکن کبھی بھی کوئی دنیاوی طاقت کسی بھی زعم میں مبتلا ہو، اس

کے ہزاروں لاکھوں بم اور ہزاروں ٹن بارود کے ڈھیر ہوں، ہم فلسطینی ہیں، ہم فلسطینی ہی رہیں گے۔

فلسطین اور اس کے حصے غزہ سے یکجہتی کا اعلان واظہار بھی ہماری ہی شناخت ہے۔ یہاں شہیدوں کا خون نسل نو کی آبیاری کر رہا ہے۔ یہاں ان شہیدوں، غازیوں کو بے داخل نہیں کیا جا سکتا۔ اب 29 نومبر بھی دراصل اسی عہد کی تجدید کر گیا ہے کہ کوئی ہماری عمارت منہدم کر دے، تو کیا اس عمارت کی زمین پر کسی کو کسینو (Casino) بنانے اور اپنی شام کو شام غریباں کے طور پر آ سکتا ہے، نہیں، ایسا نہ غزہ یا مغربی کنارے اور القدس میں ہوا نہ ہوگا۔

اقوام متحدہ کی قرارداد غزہ کو مزید منہدم کرنے کا پیغام ہے۔ یہ ایک اور اعلان بالفور ہے۔ تقریباً صدی قبل عرب سرزمین اور سرزمین فلسطین کو ختم کرنے کے برطانوی مینڈیٹ نے غاصب اور بزدل عربوں کو آزادی، حریت اور جدوجہد کے حامل فلسطینیوں کے وطن میں اسرائیلیوں کو آباد کرنے کا جرم کیا تھا۔ اس دور کے سب امیروں نے چھوٹی چھوٹی ریاستیں بنالیں اور فلسطین کو برطانیہ، امریکہ اور دیگر یورپی صہیونیوں اور یہودیوں کی چراگاہ بنا کر آنکھیں موند لیں۔ ان موندی ہوئی آنکھوں میں عرب قومیت کے خواب تھے، جو کبھی پورے نہ ہو سکے۔ ایسا خواب جمال ناصر نے دیکھا ہو یا دیگر عرب ریاستوں نے اپنی نیم خوابیدہ آنکھوں میں سجایا ہو۔ جب ان کی آنکھیں کھلیں تو یہ بیدار نہ تھے۔ جس طرح گہری نیند سے بیدار ہونے والا تادیر آنکھیں ملتا رہتا ہے، ان کی کیفیت تو یہی تھی۔ عرب قومیت کا خواب چکنا چور ہو چکا تھا۔ یہ فلسطین کو ہی تنہا نہیں کر سکے تھے، اپنی ننھی منھی ریاستوں کو بھی باجگزاری کے اڈے بنا چکے تھے۔

اب کسی خواب دیکھنے کا وقت ہرگز نہیں ہے۔ اقوام متحدہ کی قرارداد نئے چیلنج سامنے لا رہی ہے۔ پہلے تنہا اسرائیل نسل کشی کرتا تھا۔ اب پورا یورپ، پوری عرب دنیا اور پورا عجم غزہ سے آخری فلسطینی کو مانے، بے دخل کرنے اور قبضہ کر کے ریویریا منانے کے لیے سرمایہ رہے گا۔ کوئی یہاں سے نئے دبئی کا راستہ تلاش کرے گا، نئی منڈی برائے عیاشیاں بنائے گا، کوئی اسی نئی منڈی کی نوتعمیر شدہ عمارتوں میں دلال بنے گا۔ دنیا بھر کے بدنام زمانہ رسہ گیروں کو دعوت دینے کی سوچ رہا ہوگا جو رقص وسرور کے ماحول سجائیں اور بس اسے ہی ترقی کی معراج سمجھتے ہوں گے۔ ٹرمپ کا دست راست ایلون مسک یہاں صنعتی ترقی کے نام سے جنس وہوس کے الیکٹرانی آلات بنائے گا۔

یہ ہے وہ پروگرام، جس کا منصوبہ ٹرمپ کے داماد جیریڈ کشنر نے دیکھا اور ٹرمپ نے منظوری دی۔ دیگر پروگرام ٹونی بلیئر نے ترتیب دیا۔ دنیا بھر کے شیطان جمع ہوئے اور جہد وعزم کا مقابلہ کرنے نکلے ہیں۔

اس سارے منظرنامے کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ صدر ٹرمپ کی خوش نودی حاصل کرنے کو بیتاب، اس کی نظروں میں جگہ بنائے رکھنے کے خواہشمند، صدر الفتاح السیسی، امریکی خلیجی چھاؤنی کے امیر قطر شیخ حماد آل ثانی، شام کے نام نہاد حریت لیڈر یہ سب ایک اور اعلان بالفور کرنے جا رہے ہیں۔ ایک نیا اسرائیل غزہ میں بنانے جا رہے ہیں۔ ان کے ایجنڈے میں شامل ہے کہ اسرائیل کے زمینی دلال جو کہ رئیل سٹیٹ ڈویلپرز کہلاتے ہیں، غزہ میں زمینیں خریدیں گے۔ یہاں ایک بورڈ بنے گا جس کا سربراہ ٹرمپ ہوگا، اسے شرم کیا ہی آئے گی کہ وہ دنیا کی بڑی مملکت امریکہ کا صدر ہوتے ہوئے اس غزہ کا بھی صدر بنے گا۔ ٹونی بلیئر انتظامیہ چلائے گا۔

کیا ایسا ہو سکے گا؟ کیا غزہ واقعی ایسا ہی ہو جائے گا؟ کیا عرب کی نیند ممات ابدی میں تبدیل ہو جائے گی۔ کیا اسلامیان عجم یہ تماشا دیکھتے رہیں گے؟

ان سوالوں کا جواب آسان ہے۔ ایسا نہیں ہوگا۔ غزہ صرف غزہ رہے گا۔ یہاں فلسطین کا پرچم ہی لہرائے گا۔ کوئی ریوریا کامیاب نہ ہو سکے گا۔ عربوں کا بے بہا اسلحہ اسی جنگ میں ان کے لیے ہی سوہان روح بن جائے گا۔ یہاں یورپیوں، امریکیوں اور اسرائیلیوں کی ایک طویل ترین "ڈیتھ ہائی وے" بنے گی۔ مسلمانوں کو ضرور یاد رکھنا چاہیے کہ جب عراقی افواج کویت سے واپس آ رہی تھیں، جب ان کا ایک سرا کویت سے نکلا اور پہلا سرا عراق پہنچا تو امریکہ نے ان پر بموں کی بارش کر دی تھی۔ اس ہائی وے پر ہزاروں عراقی فوجی مارے گئے تھے۔ آج لوگ بڑے حیران ہوتے ہیں کہ عراق کے ری پبلکن گارڈز کیا ہوئے؟ وہی گارڈز تھے جو اس ہائی وے پر جسے ان کی نسبت سے ڈیتھ ہائی وے کہا جاتا ہے، وہیں مارے گئے تھے۔

لیکن غزہ کے جوان ری پبلکن گارڈز نہیں ہیں۔ وہ لڑنے مرنے پر ہر دم اور ہر وقت تیار ہیں۔ اقوام متحدہ نے امریکی قرارداد پر غزہ میں ایک نئی نسل کشی کی اجازت دی ہے۔ یہاں اب باری یورپ، امریکہ، اسرائیل اور ان ڈرپوک عربوں کی افواج کی ہے۔ یہ لوگ غزہ میں بے موت مارے جائیں گے۔ یہ جنگ پورے القدس میں پھیلے گی، پورے مغربی کنارے میں پھیلے گی اور آبادکار یہودیوں کا نام تک نہ ہوگا نامیوں میں۔ پورا خطہ ڈیتھ لینڈ بن جائے گا۔

ہم سمجھتے ہیں اور بجا طور پر سمجھتے ہیں کہ ساحلی تفریح گاہ کا خواب خواب ہی رہنے دیا جائے تو خیریت ہے۔ ایسا ایک طرف نہ اردن کے حق میں بہتر ہوگا اور نہ ہی مصر آج والا مصر رہے گا۔ شام اور لبنان کا پورا نقشہ بدل جائے گا۔ یہ وہ حقائق ہیں جو آج کے ہی منصوبہ ساز نظرانداز نہیں کر رہے بل کہ ان چھوٹی چھوٹی مسلم ریاستیں بھی فراموش کیے بیٹھی ہیں۔ جب بم گرتا ہے تو اپنا پرایا نہیں دیکھتا۔ اس لیے نئے بم اور نئے میزائل گرانے سے کہیں بہتر ہے کہ غزہ کو دوبارہ غزہ بننے دیا جائے۔ ایسا نہ ہوا، غزہ، غزہ نہ رہا تو دنیا میں کئی غزہ بنیں گے، کئی موت کی وادیاں آباد ہوں گی۔

تو محشر میں ہے اور یہ گھڑی محشر کی ہے

گزشتہ سے پیوستہ: حافظ عمر فاروق

تعمیر نو۔۔ غزہ یا ساحلی تفریح گاہ؟

امریکہ اور اسرائیل کو اس وقت دنیا بھر سے شدید تنقید کا سامنا ہے۔ غزہ کے ملبے اور فلسطینی قبروں پر انہوں نے ساحلی تفریح گاہ (Reveria) کے عنوان سے عیاسی وفحاشی کا مرکز بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہاں امریکی فوجی وفضائی اڈہ بھی قائم کیے جانے کی شنید ہے۔ اس کی تفصیلات ایک ویب سائٹ (Conversions) نے شائع کی ہیں۔ یہ سب کچھ غزہ کی تعمیر نو کے نام سے کیا جائے گا۔ عربوں کا سرمایہ لگے گا اور مسلمانوں کے قبرستان پر یہ ساحلی تفریح گاہ بنائی جائے گی۔ اس تعمیر کی راہ میں حائل واحد قوت حماس اور دیگر مزاحمتی گروہ کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ اسے شہری ترقی کے پروگرام کا خوشنما نام دیا گیا ہے۔ اس میں:

Blockchain_based Trade Initiative

(بلاک چین کی بنیادی پر تجارتی مراکز)

Deta-Centres

(ڈیٹا سنٹرز)

World Class Resorts (بین الاقوامی معیار کے عیاشی کے اڈے) شامل ہیں۔

اس سلسلے کو ریل اور سڑک کے ذریعے ایک کاریڈور سے جوڑا جائے گا جو India-Middle East Europe Corridor (IMEC) کہلائے گا۔ یہ ایک امریکی علاقائی فن تعمیر کا منصوبہ ہوگا۔

اس کام کے لیے ایک ٹرسٹ (Great) قائم کیا جا رہا ہے۔

یہ دراصل (Gaza Reconstitution Economic Acceleration and Transformation Trust) ہوگا۔

اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بظاہر خلیجی شہر سازی کا منصوبہ ہے۔ اس میں خلیجی ریاستیں بھی حصہ بقدر جثہ ڈالیں گی۔ اس کا حقیقی مقصد فلسطین کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگا۔

اس میں بڑے بڑے ٹاورز، رئیل اسٹیٹ منصوبے اور دبئی سے بڑھ کر نئے کھلے شہر لاس ویگاس طرز پر بنائے جائیں گے۔

اس پورے منصوبے کا 38 صفحات پر مشتمل دستاویزی پراجیکٹ واشنگٹن پوسٹ نے اپنی ایک اشاعت میں شائع کیا ہے گویا بادنی تصرف شاعر سے معذرت کے ساتھ:

تیری بربادی کے چرچے ہیں اہل مغرب کے ایوانوں میں

اسے فن تعمیر کا شاہکار قرار دیا گیا ہے۔ یہ انتہائی ماڈرن ساحلی تفریح گاہ قرار دی جا رہی ہے۔اس لیے وہاں سے حماس کا مکمل صفایا ازبس کہ لازمی ہے۔اس کی منصوبہ بندی کے دو حصے ہیں:

1)۔ یہ لبرل ماحول، لبرل نظریے و کردار کا منصوبہ ہے اور اسے ایک چارٹر سٹی (Charter City) کہا گیا ہے۔ یہ شہری ترقی کا شاہکار شہر ہوگا جس میں کسی بھی مزاحمت کی کوئی ذرہ بھر گنجائش نہیں ہوگی۔اس کے اپنے قوانین ہوں گے، اپنے ادارے ہوں گے اور ان کی حدود میں کسی الہامی یا دنیاوی قانون یا ادارے (مسجد و محراب) کو جگہ ہرگز نہیں دی جائے گی۔

2)۔ یہ ساحلی تفریح گاہ وہ شاہانہ اقتدار کا نمونہ ہوگی جہاں متحدہ عرب امارات اور سعودی عرب کے شاہی قوانین کی طرز پر نئے قوانین اور طریقوں کی پابندی کرنا ہوگی۔ یہ دونوں ریاستیں اس وقت صدر امریکہ ڈونلڈ ٹرمپ اور اسرائیل کی اتحادی ہیں۔

اس پروگرام کو بوسٹن کنسلٹنگ گروپ کا بھرپور تعاون حاصل ہے۔اس کا سٹاف ٹونی بلیئر انسٹی ٹیوٹ سے آئے گا۔اس کے لیے دستاویزی منصوبے کی تیاری، عمل درآمد اور منظوری کے بارے میں انسٹی ٹیوٹ کوئی ذمہ داری نہیں لے گا جب کہ یہ سب کچھ تیار انہوں نے ہی کیا ہے۔ یہ سب ممکنہ ردعمل سے خود کو بچانے کے لیے کہا اور کیا جا رہا ہے۔

امریکہ نے اس مقصد کے لیے 100 ارب ڈالر مختص کیے ہیں۔اس میں حیرت زدہ ہونے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ صدر ٹرمپ عربوں سے اپنے پہلے سرکاری غیر ملکی دورہ میں کھربوں کما چکے ہیں۔ حال ہی میں ان کا ایک اور بیان بھی سامنے آیا ہے۔ اس میں انہوں نے طنزیہ طور پر کہا ہے کہ سعودی اپنے لیے بہت سے F-35 طرز کے امریکی جنگی جہاز لینے کا خواہاں ہے۔ہم اس پر غور کر رہے ہیں۔

یہ 100 ارب ڈالر یا 74 ارب برطانوی پاؤنڈز سرمایہ کاروں کو ایک دعوتِ شیراز ہے کہ آئیں اور نئی طرز کا ایک بانکا سجیلا گھر غزہ میں بھی تعمیر کریں۔ سعودی عرب کو اس میں دلچسپی اس لیے ہے کہ کراؤن پرنس محمد بن سلمان ویژن 2030ء کو مکمل کرنے کے لیے اپنے ہر شہر کو بھی اسی طرح بانکا سجیلا اور چھیل چھبیلا بنانے پر کام کر رہے ہیں۔

اس بانکے سجیلے غزہ کے سامنے ”بین الاقوامی اشرافیہ“ کے لیے آبی راستے بنائے جائیں گے۔ اس کے ساحل کے ساتھ ساتھ اپارٹمنٹ بلاکس بنیں گے جن کے رہنے والے سمندر کو اپنی اپنی نگاہ سے دیکھیں گے۔ ان بلاکس کی ملکیت زیادہ تر اسرائیلی رئیل اسٹیٹ ٹائی کونز کے پاس ہوگی۔ یہاں سرمایہ زیادہ تر سعودی عرب کا استعمال ہوگا یا امریکہ کے کاروباری ٹرسٹ کا سرمایہ ہوگا۔

غزہ میں خصوصی اکنامک زونز بنائے جائیں گے۔ان زونز کو ٹیکس میں خصوصی مراعات دی جائیں گی۔ وہ یہاں اپنے صنعتی منصوبے شروع کر سکیں گے۔ ان منصوبوں کی منظوری ایلون مسک دیں گے۔ یہاں گرین ٹیکنالوجیز کے ساتھ ساتھ دیگر مختلف نوعیت کی صنعتی ٹیکنالوجیز بھی روبہ عمل لائی جائیں گی۔ وہ ان میں ایسی ٹیکنالوجیز بھی استعمال کریں گے جو جنگ اور بارود کے پھیلائے کاربن اور زہریلے اثرات کو دور کریں گی۔

اس کے باوجود بہت مشکل سے نیا دبئی بن سکے گا۔ اس میں جابہ بجا سیکیورٹی زونز میں اسرائیلی فوج رکھی جائے گی تاکہ ممکنہ طور پر فلسطینی مزاحمتی گروپوں کی مزاحمت اور حماس کے اثرات اور کردار کو کم سے کم یا ختم کیا جائے۔ قابض اسرائیل کے قبضے کے خلاف مزاحمت کرنے والے فلسطینیوں کو اور حماس کو روکا جائے۔

نئے شہر کی تعمیر یا غزہ کی تعمیر نو کرنے والوں، سرمایہ لگانے والوں کو بہت بڑے رسک لینا پڑیں گے۔ان میں جنگ نہ بھی وجہ ہو، تب بھی غزہ کو تباہ کرنے کے ہرجانے بہرحال ادا کرنا ہوں گے۔ یہاں کی زمین ان کو اپنے منصوبوں کے لیے مفت میں نہیں مل سکے گی۔ ہر عمارت کا ملبہ صاف کرنے سے پہلے اس کا معاوضہ، اسے تباہ کرنے کا معاوضہ اور زمین کی قیمت ادا کرنا ہوں گی ورنہ جھگڑے ہوں گے، فساد ہوں گے، ملکیت کی جنگیں ہوں گی۔ ملبے سے نکلنے والی لاشوں کا معاوضہ طے کرنے کے اصول وضع کرنا ہوں گے۔ اس سب کے باوجود مزاحمت کرنے والوں کی مزاحمت میں گوریلا جنگ بڑھ جائے گی۔

اسرائیل کو بالآخر بین الاقوامی عدالت جانا ہوگا۔ کریمینل کارروائی کا سامنا کرنا ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ اس سارے منصوبے کو بالکل درست ”دیوانے کا خواب“ اور ”پاگل پن“ سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ اس کا اظہار رائل یونائیٹڈ انسٹی ٹیوٹ نامی تھنک ٹینک کے سینئر ایسوسی ایٹ نے کیا ہے۔ یہ امریکی ادارہ ہے۔ اسرائیلی میڈیا کا ایک اہم حصہ اس منصوبے کی مخالفت کر رہا ہے اور وہ بھی اسے ایک پاگل پن سے تعبیر کر رہا ہے۔

مبصرین اور ماہرین کا کہنا ہے کہ محض یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ امریکہ اور اسرائیل غزہ میں ساحلی تفریح گاہ اور صنعتی زون سعودی عرب، قطر اور امارات کے تعاون اور سرمائے سے بنانا چاہتے ہیں۔ ان منصوبے کے لیے زمین منصوبہ سازوں کی نہیں ہے۔ یہ ہوا میں تیر چلا رہے ہیں۔ اگر یہ حماس کو بے اثر کر چکے ہوتے یا اسے شکست ہی دے چکے ہوتے، اس کے ہتھیاروں پر قبضہ کر چکے ہوتے تو بھی غزہ کے عوام سے بھی یہ جیت نہ سکے۔ یہ غزہ سٹی بھی فتح نہ کر سکے جب کہ سامنے نہتے، گولیاں کھاتے، میزائیلوں سے شہید

کیے جاتے یہی فلسطینی تھے۔ انہوں نے ان سخت حالات میں غزہ چھوڑنے کے بجائے مرنے کو ترجیح دی۔ اب ان سے زمین کس طرح اور کیوں کر حاصل کی جا سکے گی۔

صہیونیت کا متبادل پلان یہ ہے کہ مغربی کنارے کی طرز پر غزہ میں بھی یہودی بستیاں تعمیر کی جائیں تا کہ فلسطینیوں کو قابو کیا جا سکے۔ یہاں سے فلسطینیوں کو نکلنے یا ہجرت پر مجبور کیا جائے۔ اس کام کے لیے جنگ، تشدد اور نئے نکبہ طرز کے اقدامات بھی کیے جائیں۔

سیٹلر نوآبادیات کے سکالرز نے ان منصوبوں پر تبصرہ کرتے ہوئے رائے دی ہے کہ ان میں منطق کی کوئی بات ہے تو صرف مخالف کو صفحۂ ہستی سے مٹانا ہے۔ صاف الفاظ میں یہ سکالرز کہہ رہے ہیں کہ زمین پر حکمرانی غزہ کے مکمل کنٹرول سے مشروط ہے۔ دوسرا ٹاسک، جس کا اہم نے ابھی ذکر کیا ہے، یہ ہے کہ نئی سیٹلر سوسائٹی وجود میں لائی جائے، گویا فلسطینیوں کو اپنے گھروں کے ملبے اور وہاں کی زمین سے بھی محروم کر دیا جائے۔ اس کے لیے اسرائیل کے بانی اور قبضہ کرنے کے لیے بدنام زمانہ ڈاکٹر تھیوڈر ہرزل کے طریقے یا نکبہ آزمائے جائیں۔ اس ڈاکٹر ہرزل کو اسرائیل کے مجرم وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو اپنا آئیڈیل قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

''اگر میں نئی عمارت تعمیر کرنے کی خواہش کروں جہاں پرانی عمارت موجود ہو تو نئی تعمیر سے پہلے پرانی عمارت تباہ کر دوں گا۔''

اسرائیل نے جنگ اسی لیے مسلط کی تھی کہ وہ سرزمین غزہ پر آسانی سے امریکہ کی اشیر باد اور مغربی اتحادیوں کے اسلحہ کے ذریعہ جلد ہی قابض ہو جائے گا۔ گویا یہ سارے ممالک اسے ایک نئے قبضہ کے لیے تیار کر رہے تھے۔ اس میں مکمل تباہی کے باوجود انہیں مکمل ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ غزہ فتح نہ کیا جا سکا۔

اسرائیل نے مغربی کنارے اور مقبوضہ مشرقی بیت المقدس میں دھڑا دھڑ امریکی سرپرستی میں یہودی آبادکاری کی، بستیاں اور ان کے علاقے تعمیر کیے۔ یہ سلسلہ 1967ء سے 2005ء تک جاری رہا۔ پھر 2007ء میں اسرائیل نے غزہ کا فوجی محاصرہ کر کے اس کی مکمل ناکہ بندی کر دی۔ یہ سارے اقدامات اسی لیے کیے گئے تھے کہ فلسطینیوں کو ختم کر دیا جائے، ضروریات زندگی سے محروم کر دیا جائے، انتظامی امور ناممکن بنا دیے جائیں۔

موجودہ پلان دو عوامل کو سامنے رکھ کر ترتیب دیا گیا ہے۔ ان دونوں عوامل کا تعلق سرزمین غزہ سے ہے۔ مالی اور تکنیکی امور اس کے علاوہ ہیں۔ ان میں پہلا عامل شہر سازی اور دوسرا بے دخلی ہے۔

پہلے عامل میں ہے کہ ایک نیا معاشرہ تشکیل دیا جائے جس کا نکتۂ آغاز یہ ہے کہ صدیوں سے تعمیر کی گئی ہر عمارت تباہ کر دی جائے۔ پھر شہر سازی کے پہلے مرحلے میں پہلے سے موجود سارا انفراسٹرکچر تباہ کر دیا جائے۔ یہ دونوں کام کیے جا چکے۔ ان کے ساتھ لاکھ افراد بھی شہید کیے جا چکے۔ اب مرحلہ یہ ہے کہ نئی سڑکیں اور شاہراہیں تعمیر کی جائیں۔

فلسطینیوں کے لیے یہ سب کیا ہے؟ ایک ادارہ Forensic Infrastructure کے نام سے کام کر رہا۔ اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ فن تعمیر کی نئی تکنیک بروئے کار لاتا ہے تا کہ انسانی حقوق کی پامالی اور تشدد کا سارا ڈیٹا جمع کیا جائے۔ اس کا اب تک کا ڈیٹا بتا رہا ہے کہ اسرائیل کی ڈیفنس فورسز نے ہر شے تباہ کر دی ہے۔ اب یہ منصوبہ آگے بڑھ سکتا ہے۔

اس منصوبے میں 23 لاکھ فلسطینیوں کے رہنے کے لیے کم جگہ ہے۔ اس لیے یہاں کے رہنے والوں سے کہا جا رہا ہے کہ 5 ہزار ڈالر لو اور یہاں سے کہیں اور دفع ہو جاؤ، دوبارہ ادھر کا رخ نہ کرنا۔ اس دوران میں باقاعدہ منصوبے کے تحت، ٹرمپ پلان کے ہوتے ہوئے مسلسل فلسطینی شہریوں کو جس زیادہ تعداد میں قتل کیا جا سکے، کر دیا جائے۔ گویا نسل کشی (Genocide) جاری تھی اور جاری رہے گی۔ اسرائیل کی فوج غزہ کے اندر ہی اہل غزہ کو بے گھر کرتی رہے گی اور کر رہی ہے۔

ایک گروپ International Association of Genocide Scholars کا کہنا ہے کہ یہ عمل اب بھی جاری ہے۔ یہ منصوبے کا حصہ ہے کہ اسے کہنے دیا جائے، یہ جو کچھ کہہ رہا ہے۔ اس کی پرواہ نہ کی جائے۔ اسرائیل کے اقدامات سے زیادہ سے زیادہ تعداد میں برسرزمین سے زیرزمین یعنی قبروں میں بھیجے جا رہے ہیں۔ یہ عمل کسی بھی وقت بہت خطرناک ہو سکتا ہے جس میں یک دم ہزاروں نہیں تو سینکڑوں شہید کر دیے جائیں گے۔ غزہ کی تعمیر نو میں کیا منطق ہے؟ وہ یہ ہے جس طرح سیٹلر نوآبادیات ہیں۔ ایک عمل جس کے تحت سب ملیامیٹ کر دیا جائے، پھر نئے علاقے بنائے جائیں، پرانے شہری تہہ خاک کر دیے جائیں۔ دنیا کے مختلف حصوں سے زیادہ سے زیادہ یہودی یہاں نوآبادیات قائم کریں۔ جو سامنے کھڑا ہو، اسے تباہ کر دیا جائے، حماس کو بے بس کر دیا جائے۔

اس سارے منصوبے کو سب نے پاگل پن قرار دیا ہے۔ اس کی اصل بنیاد فلسطینیوں کا ایک مرتبہ پھر قتل اور ان کی نسل کشی ہے۔ دی واشنگٹن انسٹی ٹیوٹ برائے مشرق قریب پالیسی نے اپنی رپورٹ میں تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ٹرمپ کا غزہ کو ساحلی تفریح گاہ میں تبدیل کرنے کا منصوبہ معاشی اور مادی بنیادوں پر ترتیب دیا گیا ہے۔ اس میں اس سچ کو نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ فلسطینیوں کا بھی غزہ سے اور اس کی زمین سے تعلق ہے۔ یہ فلسطینی قومی شناخت کا بنیادی حصہ ہے۔ منصوبے کے مطابق فلسطینی مصر، اردن، مراکش، صومالی لینڈ اور پنٹ لینڈ منتقل کر دیے جائیں گے۔

فلسطینیوں کی اس منتقلی (جبری یا رضا کارانہ) کے بارے میں اپنے 4 فروری کے خطاب میں، انسٹی ٹیوٹ کے مطابق صدر ٹرمپ نے کہا تھا کہ انہیں امید ہے کہ فلسطینی واپس غزہ نہیں آئیں گے۔ وہ اس بات کو بھول گئے یا انہیں علم ہی نہیں کہ 1948ء سے اب تک حق واپسی کا مطالبہ موجود ہے۔ فلسطینی ہر حال میں واپس فلسطین آنا چاہتے ہیں۔ وہ جو اب غزہ سے نکالے جائیں گے، انہیں اسرائیل تو نکال نہ سکا، اب امریکہ نکالے گا، تو وہ اپنے پیاروں کی قبروں پر امریکی و یورپی عیاشی کے اڈے بنتے کیوں کر اور کس طرح برداشت کریں گے۔ اسرائیل نے جو تباہی پھیلائی، اب امریکہ پھیلائے گا؟

فلسطینی اتھارٹی اور حماس، دونوں نے اپنے شدید اختلافات کے باوجود کہا ہے کہ وہ ایسے کسی اقدام کو ہرگز قبول نہ کریں گے جو ان کے حق واپسی (Right to Return) کو ختم کرتا ہو۔ فلسطینی اتھارٹی کے صدر ابو ماذن محمود عباس نے سارے منصوبے کو بین الاقوامی قانون کی سنگین پامالی اور خلاف ورزی قرار دے کر مسترد کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے مصر، اردن، قطر، سعودی عرب اور امارات سے فوری رابطوں کے بعد کہا ہے کہ غزہ سے فلسطینیوں کی منتقلی کسی صورت قابل قبول نہیں ہے۔

انسٹی ٹیوٹ کے مطابق خود فلسطینیوں نے اس منصوبے پر حیرت، غصے اور مایوسی کے ملے جلے جذبات کا کھل کر اظہار کیا ہے۔ مبصرین کی بڑی اکثریت نے اس منصوبے کو سرے سے ناقابل عمل اور پاگل پن قرار دیا ہے۔ برطانوی جریدے گارڈین نے اپنی یکم ستمبر کی اشاعت میں اس منصوبے کا جائزہ لیا ہے۔ جریدے نے لکھا ہے کہ مبینہ طور پر اس کی تجاویز انہی اسرائیلیوں نے تیار کی ہیں جو اس سے پہلے امریکہ اور اسرائیل کی تیار کردہ تجاویز کے ذریعے

غزہ میں خوراک کی تقسیم کی این جی او ’’غزہ خوراک فاؤنڈیشن (GHF)‘‘ بنانے میں ملوث تھے۔ ان کی فاؤنڈیشن سینکڑوں فلسطینیوں کے قتل عام کا ذریعہ بن گئی تھی۔

جریدے نے مزید لکھا ہے کہ اس میں سب سے متنازعہ پہلو یہ ہے کہ غزہ کی 23 لاکھ آبادی کو دوسرے ملکوں میں منتقل کر دیا جائے گا جہاں سے وہ واپس فلسطین نہیں آسکے گی۔ یہ تجاویز دراصل ان کی نسلی صفائی کی تجاویز اور نسل کشی کے اگلے مرحلے کا پتہ دیتی ہیں۔ اس میں ہر فلسطینی کسی دوسرے ملک بھیج دیا جائے گا جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے صومالیہ اور صومالی لینڈ پہلے سے خانہ جنگی کا شکار ہیں۔ اس کے ساتھ مصر، اردن اور مراکش بھی اسی صورت حال سے دوچار ہوسکتے ہیں۔ اسرائیل ان پر حملے کرے گا اور مؤقف اختیار کرے گا کہ یہاں سے مہاجر فلسطینیوں کے بھیس میں حماس حملے کر رہی ہے۔

جو فلسطینی غزہ میں رہنا چاہیں گے، اپنی زمین، اپنا گھر چھوڑنے پر کسی صورت تیار نہیں ہوں گے، انہیں 323 مربع فٹ فی کس کے حساب سے جگہ دی جائے گی۔ یہ کسی اپارٹمنٹ کی یا زمین کی صورت میں ہوگی۔ گویا یہ پہلے سے فرض کر لیا گیا ہے کہ غزہ پر امریکہ اور اسرائیل کا قبضہ ہے اور اس کی ساری زمین پر وہ قابض ہیں۔ ان پر محمد بن سلمان، محمد بن زید، ایلون مسک اور امیر قطر کے منصوبوں پر کام ہو رہا ہے۔

یہ بھی واضح نہیں ہے کہ کیا یہ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ، وائٹ ہاؤس، پینٹاگان کی پالیسی ہے یا ٹرمپ کے داماد کے ذہن کی اختراع ہے۔

ٹرائیل انٹرنیشنل ایک انسانی حقوق کا ادارہ ہے۔ اس کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر فلپ گرانٹ نے کہا ہے کہ یہ منصوبہ لاکھوں انسانوں کو وسیع تر بے دخل کرنے کا ہے۔ اسے ترقی کے نام سے مارکیٹ کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے خبردار کیا ہے کہ:

’’یہ لاکھوں انسانوں کی وسیع تر بے دخلی کا عمل ہوگا۔ اسے ترقی کا نام دیا جائے گا۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ ایک ناقابل تصور سطح پر یہ ایک بہت بڑا بین الاقوامی جرم ہوگا۔ یہ کسی ٹیکسٹ بک کیس کی مانند ہوگا۔ آبادی کو جبری انخلاء پر مجبور کیا جائے گا۔ علاقے کی ڈیموگرافک انجینئرنگ کی جائے گی۔ لوگوں کو غزہ کے باسی ہونے کی اجتماعی سزا دی جائے گی۔‘‘

ٹرائیل ان 15 گروپس میں سے ایک ہے جو پہلے ہی خبردار کر چکے ہیں کہ اسرائیل کے لیے غزہ میں پہلے سے کام کرنے والے ٹھیکے دار لوگوں کو مارتے، ڈراتے اور دھمکاتے ہیں، یہ لوگ بین الاقوامی قانون کے تحت جنگی جرائم میں پہلے سے ملوث ہیں۔ یہ انسانیت کے خلاف جرائم کا بھی ارتکاب کر رہے ہیں اور حماس کو بدنام کرنے کا کام کرتے ہیں۔ ان میں کاروباری گینگ بھی شامل ہیں جو مستقبل میں مختلف قانونی شکنجوں میں کسے جائیں گے۔

اسرائیل کے اخبار Haaretz نے اس منصوبے کے بارے میں ادارتی رائے میں لکھا ہے کہ یہ منصوبہ خوشنما انداز میں جلد امیر بن جانے، جلد بازی میں سکیمیں تیار کرنے اور بالآخر جنگی جرائم میں ملوث ہو جانے کا راستہ ہے۔

ایک اور تبصرے میں لکھا گیا ہے کہ یہ ایک ایلون مسک مینوفیکچرنگ پارک ہے۔ جس پر کوئی طنز نہ بھی کیا جائے تو یہ دراصل Erez Industrial Zone کی تباہ حالی پر بنایا گیا ہے اسے اسرائیلی سرمایہ کاری سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ فلسطینیوں کی سستی لیبر سے کام لے کر منافع کمایا جائے۔ پھر اسرائیلی بمباری سے اسے تباہ کر دیا جائے۔

انٹرنیشنل بار ایسوسی ایشن نے بھی اس منصوبے پر تبصرہ ایک رپورٹ میں کیا ہے۔ اس میں کہا ہے کہ ٹرمپ نے اپنی نام نہاد تجویز کو 4 فروری کے خطاب کے بعد پھر دہرایا ہے۔ اس کے مطابق غزہ خالی کرا لیا جائے گا۔ اس کے فلسطینی دوسرے ملکوں میں منتقل کر دیے جائیں گے۔ ان کی واپسی ممکن نہیں ہوگی۔ غزہ کو مشرق وسطیٰ کے (Riviera) میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ اس تجویز کے بارے میں کہا گیا ہے کہ سب نے اسے پسند کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر طرف سے اس پر شدید تنقید ہو رہی ہے، غم و غصہ کی لہر غزہ میں دوڑ گئی ہے۔ عالمی راہنما برملا کہہ رہے ہیں کہ یہ دراصل بین الاقوامی قانون کی شدید ترین پامالی ہے۔

یہ تجویز فروری کے شروع میں پیش کی گئی کہ فلسطینی جبری طور پر اپنے گھروں سے کہیں اور منتقل کر دیے جائیں گے۔ کسی دوسرے ملک ان کو ہجرت پر مجبور کرنے کے بعد مشرق وسطیٰ کا ریویرا بنایا جائے گا۔ یہ ساری تجویز شروع سے ہی نہایت مبہم رہی ہے۔ اس کے مطابق 23 لاکھ فلسطینی دوسرے ملکوں میں امپورٹ کر دیے جائیں گے۔ جنگ سے تباہ حال غزہ ملبے سے صاف ستھرا بنا دیا جائے گا۔

بین الاقوامی برادری کسی صورت اس کی اجازت نہیں دے گی۔ اس کا مقصد ایک سرزمین کو تباہ کرنے کے بعد پھر سے تباہ کرنا ہے۔ بار ایسوسی ایشن کی شریک چیئرپرسن کرسٹی سودر لینڈ نے کہا ہے کہ عالمی برادری ایسی ہر تجویز کو یکسر مسترد کرنے میں یک آواز ہے۔

’’دی نیو عرب‘‘ نے لکھا ہے کہ غزہ ریویرا پلان کے لیے سرمایہ کاری اور دوبارہ تعمیر کی زبان میں ایسی بات کہی گئی ہے جو اسرائیل کی غزہ پر نسل کشی کو نئے انداز میں سامنے لا رہی ہے۔ یہ دراصل نئی قبر ہے جس میں فلسطینیوں کو دفن کیا جانا مقصود ہے۔ اسے ترقی کا نام دیا گیا ہے۔ نیا زمانہ ہے اور اس میں انسانوں کو نئی طرح سے ختم کرنے کو ترقی ہی کہتے ہیں۔ یہ ترقی کسی کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ غزہ پر پہلے سے زیادہ خوفناک جنگ کے بادل اب گہرے ہوتے جا رہے ہیں جن میں امریکی جھنڈے کا خون غزہ میں ٹپک رہا ہے۔

خصوصی رپورٹ: منصور جعفر

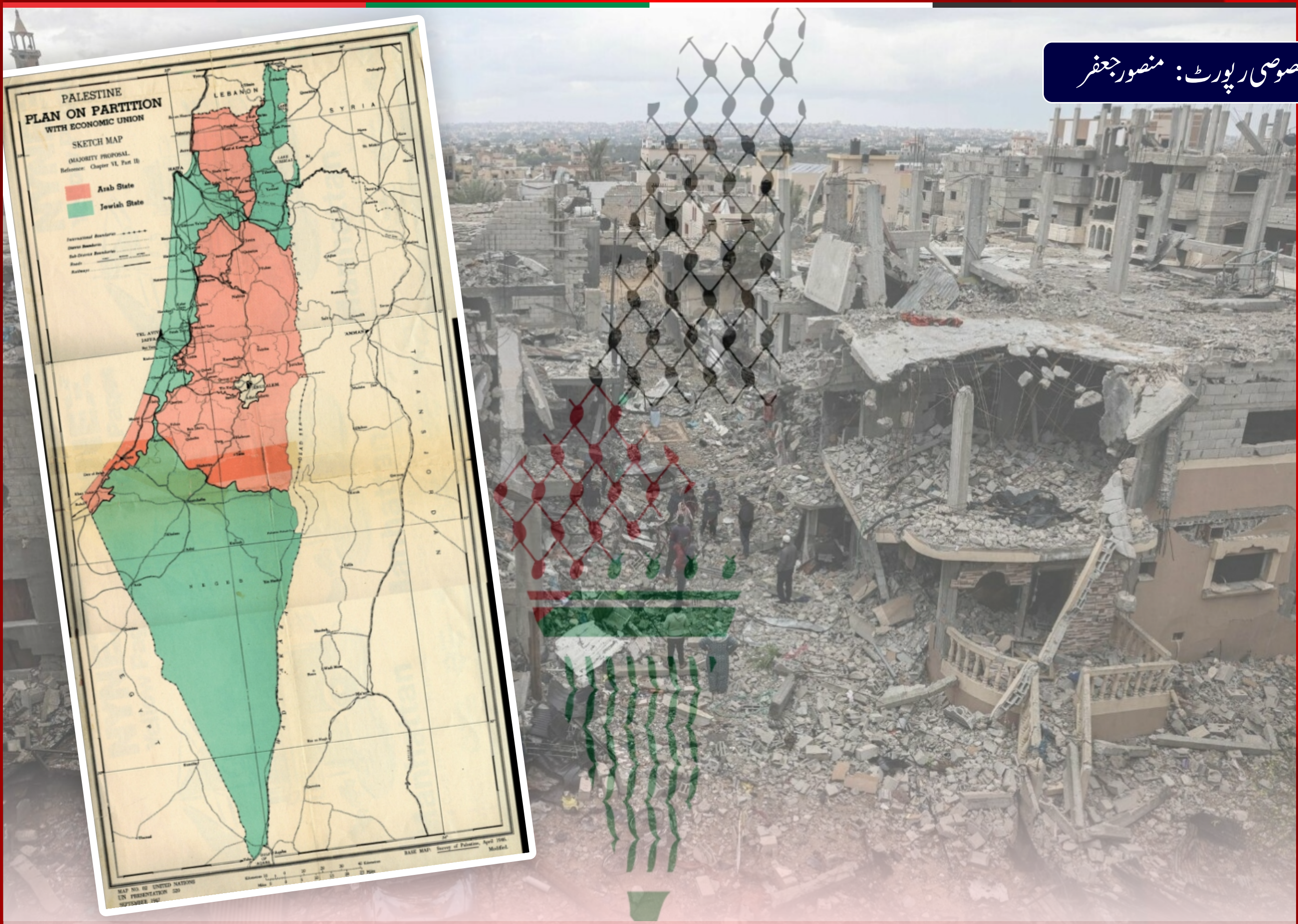

29 نومبر: فلسطینیوں کے ساتھ اظہارِ یکجہتی کا عالمی دن

کیا اب کوئی معنی رکھتا ہے؟

اب ایک بار پھر 29 نومبر کی تاریخ آ گئی ہے، یہ 29 نومبر غزہ پر اسرائیلی بمباری کے پچھلے سارے ریکارڈ توڑنے کے ماحول میں آیا ہوا ہے۔ کیا اس ماحول میں یوم یکجہتی فلسطین کوئی معنویت کا حامل موقع بن سکے گا؟

شاعروں کے لطیف پیرایہ شکایت میں ستمبر کو ستم گر کہا جاتا ہے۔ مگر حقائق کی دنیا میں اہلِ فلسطین کے لیے ستمبر ہی نہیں نومبر کا مہینہ بھی ستم گری کا ایک غیر معمولی حوالہ ہے۔ آج دنیا کے کئی بڑے مراکز میں 29 نومبر کو اقوامِ متحدہ کے 27 نومبر 1977ء کے اعلان کے مطابق 'یوم یکجہتی فلسطین' منایا جا رہا ہے۔ 29 نومبر کے ناطے ماہ نومبر کو شاید فلسطینیوں کے لیے اقوام متحدہ کے ایک تحفے اور عنایت کے طور پر دیکھا جاتا ہوگا مگر حقائق کچھ اور بولتے ہیں۔

دنیا میں امن اور خوشحالی کے لیے قائم کیے گئے اقوام متحدہ نے کرہ ارضی کو بدقسمتی سے امن اور خوشحالی سے محروم رکھنے میں ایک عالمی معاون اور سہولت کار کا کردار زیادہ اچھی طرح ادا کیا ہے۔ اس تناظر میں ماہ نومبر اور اقوام متحدہ کی فلسطینیوں کے لیے تاریخ کیا رہی؟ ان سطور میں ہم اسی پر بحث کریں گے۔ تاہم یہاں اقوام متحدہ کی سہولت کاری شروع ہونے سے 30 برس قبل کے ماہ نومبر کا ذکر بھی ضروری ہے۔

جدید تاریخ کی سب سے بڑی واردات:

یہ ذکر اعلانِ بالفور کا ہے جسے فلسطینیوں کی سرزمین کے خلاف جدید تاریخ کی سب سے بڑی واردات کہا جانا چاہیے۔ اس واردات کے اصل کردار برطانیہ اور صہیونی تحریک دونوں تھے۔ انہیں کے ملاپ اور اتفاق سے 'اعلان بالفور' نے جنم لیا تھا۔ یہ 'اعلان بالفور' بھی ماہ نومبر میں ہی سامنے آیا تھا۔۔۔ جی ہاں! 106 سال قبل 2 نومبر 1917ء کو برطانیہ کی طرف سے رکھی گئی اس سازشی بنیاد کے 30 سال بعد اقوام متحدہ نے 29 نومبر 1947ء کو اسرائیلی ریاست کی عمارت کھڑی کر دی تھی اور اس کے لیے امریکا و برطانیہ سمیت مغرب نے صہیونیوں کو اپنے کندھے پیش کیے۔

اب آپ خود ہی سوچیے کہ 29 نومبر کو اقوام متحدہ کی اپیل یا فیصلے پر فلسطین اور فلسطین کے رہنے والوں کے ساتھ اظہارِ یکجہتی منانے کے آخر کیا معنی ہوں گے اور اس کا اثر کتنا دیر پا ہوگا۔ اقوام متحدہ کو فلسطینیوں کے ساتھ اظہارِ یکجہتی کا 'کریڈٹ' دیتے ہوئے بے ساختہ وہ مصرع یاد آتا ہے کہ:

وہی ذبح بھی کرے ہے، وہی لے ثواب الٹا

اقوام متحدہ کے اعلان کردہ اس یوم یکجہتی فلسطین کی افادیت پر سوال اٹھنے کی بڑی وجہ آج غزہ میں فلسطینیوں کو درپیش صورتحال بھی کہی جا سکتی ہے۔ وہی غزہ جسے اسرائیل نے 2006ء سے اپنی ناکہ بندی کی زد میں لے رکھا ہے، جس غزہ پر اسرائیل 2006ء سے

آج تک اندھی بمباری کے مواقع پیدا کرنے میں بہت طاق ہو چکا ہے اور ہر بار سیکڑوں ہزاروں فلسطینیوں کی جان لینے کا ذمہ دار رہا ہے لیکن اس بار تو اسرائیل نے بمباری اور فلسطینیوں کی نسل کشی کی حد ہی کر دی ہے۔

مسئلہ فلسطین اور اقوامِ متحدہ:

موجودہ جنگ بندی شروع ہونے سے قبل غزہ میں 6 ہزار سے زائد فلسطینی بچے شہید ہو چکے ہیں۔ 4 ہزار سے زائد کی تعداد میں فلسطینی عورتیں شہادت پا چکی ہیں جبکہ فلسطینیوں کی شہادتوں کی کل تعداد 15 ہزار سے زائد ہو چکی ہے۔ غزہ کی گلیاں اور بازار ہی نہیں در و بام، گھر بار، مسجد، مکتب اور ہسپتال سب کچھ اسرائیلی بمباری سے ملبے میں تبدیل ہو چکے ہیں جبکہ اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے بد قسمتی سے اسرائیل کے لیے سہولت کار کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

یو این ورکس اینڈ ریلیف ایجنسی المعروف 'انروا' اور 'عالمی ادارہ صحت' پر یہ الزام عائد ہو چکا ہے کہ یہ غزہ سے انخلا کے لیے تقریباً اسی سوچ کو عملاً آگے بڑھا رہے ہیں جو اس وقت اسرائیلی فوج کی ہے۔ 'انروا' پر یہ الزام براہ راست فلسطینی مزاحمتی گروپ نے لگایا ہے۔ جبکہ عالمی ادارہ صحت کے بارے میں غزہ کی وزارت صحت کے تحفظات بھی سامنے آ چکے ہیں کہ اس نے اقوام متحدہ کے اس ذیلی ادارے کے ساتھ تعاون معطل کرنے پر غور شروع کر دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ بتائی جا رہی ہے کہ اس عالمی ادارے کی ساری توجہ اسپتالوں میں زخمیوں اور طبی عملے کو سہولتیں یا تحفظ دینے کے بجائے ان کے انخلا کے لیے ہے۔

گویا ایک جانب اسرائیل کی فوج امریکی حمایت کے ساتھ بمباری کر رہی ہے تو دوسری جانب اقوام متحدہ کا ادارہ زبانی جمع خرچ کے ساتھ قابل قدر مقام پا رہا ہے۔ لیکن ان کے زیر قیادت اقوام متحدہ کا دفتر عمل بالکل خالی ہے۔ البتہ اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے 'انروا'، 'عالمی ادارہ صحت' اس جنگ کے لیے اپنے اپنے انداز میں ایک سہولت کار کے طور پر بھی موجود ہیں۔

طویل ناکہ بندی سے گزرنے والے غزہ میں خوراک اور پانی تک سے محروم فلسطینیوں کے لیے خوراک کے عالمی ادارے ورلڈ فوڈ پروگرام کی حالت بھی ایسی پتلی رہی ہے کہ اس کی خیر سگالی کی سفیر ہیند صابری نے احتجاجاً استعفیٰ دے دیا ہے۔ خیر سگالی کی سفیر کے مطابق ورلڈ فوڈ پروگرام کا دوسرے ملکوں اور علاقوں میں جنگی یا بحرانی صورت حال میں تو کردار خوب فعال ہوتا تھا مگر غزہ کے حوالے سے اس کی رفتار اور دلچسپی دونوں ہی اچھی نہیں رہی ہیں۔

خیر سگالی کی سفیر اور تونس کی ممتاز اداکارہ ہیند صابری پوری عرب دنیا میں ایک 'سیلبرٹی' کی حیثیت رکھتی ہیں، ان کا استعفیٰ دے کر احتجاج کرنا یقیناً بلاوجہ نہیں ہو سکتا ہے۔ اس لیے اقوام متحدہ کے فلسطینیوں کے لیے یوم یکجہتی کے منائے جانے کی گزشتہ 56 برسوں کی روایت کے معنی کچھ ایسے نہیں ہیں جن سے فلسطینیوں کو کوئی عملی فائدہ ہوا ہو نہ ہی مستقبل میں اس حوالے سے کوئی توقع رکھی جا سکتی ہے۔

اقوام متحدہ کا اعلان کردہ 29 نومبر کا یہ یوم یکجہتی فلسطین کس قدر رسمی کارروائی اور صوتی آلودگی کا ذریعہ ہے اس کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ یوم یکجہتی منانے کا آغاز 29 نومبر 1977ء کو ہوا تھا۔ گویا ان 56 برسوں کے دوران اقوام متحدہ کے تحت بنائے جانے والے تمام یوم یکجہتی فلسطین بھی اسی طرح بے معنویت کے درجے میں ہیں جس طرح 57 اسلامی ملک مسلسل ہر اہم ملی معاملے میں خود کو بے بو، بے رنگ اور بے ذائقہ ثابت کر رہے ہیں۔ بے بو، بے رنگ اور بے ذائقہ پانی کی پھر بھی بہت افادیت ہے مگر ان ممالک کی افادیت اب تک منصۂ شہود پر نہیں آ سکی ہے۔ بے عمل، بے فائدہ اور مکمل بے معنی۔ اقوام متحدہ کے رکن ممالک بشمول مسلم ممالک اسی ڈگر پر چلنے کے لیے خود کو پابند سمجھ بیٹھے ہیں۔

ہاں تو بات اقوام متحدہ کے 46 برسوں کی ہو رہی ہوتی ہے۔ 46 سال قبل اس سلسلے میں منظور ہونے والی قرارداد 32 / 40 کے الفاظ قابل غور ہیں۔

اس میں کہا گیا ہے کہ پی ایل او کے نمائندے کا بیان سننے کے بعد 'ہمیں گہری تشویش ہے کہ مسئلہ فلسطین کا کوئی حل نہیں نکل سکا اور یہ صورت حال مشرق وسطیٰ میں تصادم کو بڑھا رہی ہے۔ یہ مسئلہ بین الاقوامی امن و سلامتی کے لیے خطرے کی بنیاد ہے۔'

'اس بات کا اعادہ کرتے ہوئے کہ مشرق وسطیٰ میں ایک منصفانہ اور پائیدار امن، فلسطینی عوام کے لیے ناقابل تنسیخ حقوق بشمول حق واپسی کو پورا کیے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا۔'

لیکن 1947ء میں 29 نومبر ہی کے دن اسی اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے فلسطین کی سرزمین کو تقسیم کر کے ایک اسرائیلی ریاست بنائی تھی مگر اقوام متحدہ نے اس کے ساتھ فلسطینی ریاست کے قیام کے لیے اپنی ذمہ داری سے مسلسل پہلو تہی کا نہیں بلکہ مجرمانہ کوتاہی کا ارتکاب کیا ہے۔

اس قرارداد کی اگلی سطور پر نظر ڈالیں تو اقوام متحدہ کی بے عملی اور اپنی ذمہ داری سے عملی انحراف کی مثال سامنے آتی ہے یعنی خود بھی تقریروں اور بیانات اور قراردادوں تک محدود رہنا ہے اور دوسروں کو بھی یعنی اپنے رکن ممالک اور ان کے عوام کو بھی اسی انداز میں تقریروں اور بیانات تک رکھنا ہے۔ اس قرارداد میں کہا گیا کہ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل، رکن ممالک اور بین الاقوامی تنظیموں اور سول سوسائٹی کے نمائندوں سے فلسطین کے مسئلے پر بیانات دینے کی توقع ہے۔

اقوام متحدہ کو اپنی مرضی کے کولہو میں ایک بیل کی طرح جوت کر رکھنے والے امریکا کا کردار فلسطین کے بارے میں کیا رہا ہے اس کی ایک تازہ مثال تو غزہ پر مسلسل بمباری کے دوران بار بار واشگاف انداز میں سامنے آتا رہا۔ لیکن اس طرح کی اور اس سے بھی زیادہ سنگین تر کچھ مثالیں گزشتہ 76 برسوں کے دوران بارہا سامنے آئی ہیں۔

لیجیے غور کیجیے۔۔۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے مسئلہ فلسطین پر اب تک 195 قراردادیں منظور کی ہیں۔ ان میں سے ماہ نومبر کے دوران جنرل اسمبلی نے 31 قراردادیں منظور کیں جبکہ سلامتی کونسل نے 131 قراردادیں منظور کیں اور ان میں سے 13 قراردادیں اسی یکجہتی والے مہینے نومبر میں منظور کردہ ہیں۔ اس میں امریکا کا کردار یہ ہے کہ اس نے سلامتی کونسل کی 32 سے 34 قراردادوں کو ویٹو کیا ہے۔

29 نومبر کو ہی اقوام متحدہ سے 6 فیصد کی یہودی آبادی کو فلسطین کی سرزمین کا 56 فیصد حصہ فلسطینیوں کی مرضی کے بغیر تفویض کیا گیا تھا اور فلسطینیوں سے ان کی الگ ریاست کا وعدہ کیا گیا تھا۔ وہ وعدہ پورا کرنا تو درکنار اسرائیل کے فلسطینیوں کے خلاف جنگی جرائم کو روکنے یا اسرائیل کو عالمی عدالت کے کٹہرے میں لانے کی بھی کبھی صورت نہ پیدا ہونے دی گئی۔ جب بھی کبھی کوئی ایسی کوشش کی گئی تو امریکا بہادر نے اسرائیل کے خلاف لائی گئی قراردادوں کو ویٹو کر دیا۔

یومِ یکجہتی فلسطین کی معنویت؟

اب ایک بار پھر 29 نومبر کی تاریخ آ گئی ہے، یہ 29 نومبر غزہ پر اسرائیلی بمباری کے

اگلے پچھلے سارے ریکارڈ توڑنے کے ماحول میں آیا ہوا ہے۔ کیا اس ماحول میں یوم یکجہتی فلسطین کوئی معنویت کا حامل موقع بن سکے گا؟

اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ 7 اکتوبر سے اب تک غزہ میں ہونے والی بدترین تباہی اور ہزاروں شہادتوں کے سلسلے میں عالمی سطح پر بالعموم اور مسلم دنیا میں بالخصوص فلسطینیوں کے لیے اٹھنے والی آوازوں اور اظہار یکجہتی کا طائرانہ جائزہ لے لیا جائے۔

یہاں اسی مسلم دنیا کی بات کرنا مقصود ہے جس کے پاس توانائی کے وسائل کی صورت میں دنیا کی کل دولت کا 70 فیصد موجود ہے۔ دنیا کی 60 فیصد معدنیات انہیں کے علاقوں میں ہیں۔ دنیا کی کل آبادی کا تقریباً 25 فیصد مسلمانوں کی ہی آبادی ہے۔ سمندر، پہاڑ، میدان صحرا سب کچھ میسر ہے مگر میسر نہیں تو۔۔۔ حمیت نام تھا جس کا۔ وہ حمیت عرب و عجم کے گلی کوچوں سے دور جا بسی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 7 اکتوبر سے لے کر اب تک مسلم دنیا کے گلی کوچوں اور شاہراہوں پر فلسطینیوں کے حق میں اتنی بڑی تعداد بھی نہیں نکل سکی (ماسوائے چند شہروں کے) جتنی واشنگٹن، نیویارک اور لندن وغیرہ میں نکلی ہے۔

لندن اور بعض دوسرے شہروں میں وہاں کی حکومتوں اور پولیس نے فلسطین کے حق میں اور اسرائیل کے خلاف اس رائے عامہ کو دبانے کے لیے قانون بنانے اور مظاہرین کے خلاف نسل پرستی کے مقدمے چلانے تک کی دھمکیاں دینا شروع کر دی ہیں۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کی اقوام متحدہ جو 29 نومبر کو خود یوم یکجہتی منانے کا داعی ہے، وہ مغربی ممالک میں فلسطینیوں کے ساتھ کھڑے ہونے والے شہریوں کے لیے کھڑا ہو کر، قانون کو ہتھیار بنانے کی مغربی حکومتوں کی کوشش کے خلاف کردار ادا کرتا ہے یا نہیں۔ بلاشبہ قانون کے بنانے اور استعمال کرنے میں نیک نیتی سے عاری طاقت و حکومت امن نہیں فساد لانے کا باعث بنتی ہے۔

بدنیتی و تعصب کی بنیاد پر بنائے جانے والے قوانین جبر اور لاقانونیت لاتے ہیں۔ مسلم دنیا کے جن ممالک میں فلسطینیوں کے حق میں قدرے مؤثر یا بڑی ریلیاں دیکھنے کو ملی ہیں ان میں کم از کم فلسطین کے حق میں سڑکوں پر نکلنے والوں کے ساتھ جبر روا نہیں رکھا جاتا۔ اسی لیے ان ملکوں میں فلسطین کے حق میں لوگ بے خوفی سے باہر نکلے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا ان ملکوں کی حکومتوں اور عوام نے فلسطینیوں کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں پوری کر دی ہیں؟ کیا چند ملین ڈالرز، چند درجنوں امدادی ٹرکوں اور چند ہزار افراد کے جلسے جلوس فلسطینیوں کو ان کے حق وطن اور حق واپسی سے بہرہ ور کر سکتے ہیں؟ کیا اس سے حمیتِ ملی اور غیرتِ قومی کے تقاضے پورے ہو گئے ہیں؟ کیا اس سے انسانیت کی بہترین اقدار اور امن و سلامتی کے اصولوں کی سرفرازی کی امید پیدا ہو گئی ہے؟

جواب بالکل نفی میں ہے جبکہ منزل ابھی بہت دور ہے ہزاروں فلسطینی بچوں کا غزہ میں ملبے پر بکھرا ہوا لہو ایک دقیع قربانی ہے۔ لیکن محض بچوں، عورتوں اور نوجوانوں کے خون کی غزہ میں دی گئی قربانی کیا پورے عالم میں بکھرے مسلمانوں کے قبلہ اول کی آزادی کے لیے کافی ہے؟

فلسطینیوں سے اظہارِ یکجہتی کا تقاضا:

جس طرح اقوام متحدہ نے 76 برسوں میں فلسطینیوں کے ساتھ کیا گیا ان کی آزاد ریاست کا وعدہ پورا نہیں کیا اور اقوام متحدہ کے 1977ء سے چلے آرہے یوم یکجہتی فلسطین نے فلسطینیوں کے لیے چند کمروں کے اندر ادا کیے جانے والے روایتی کلمات کے سوا کچھ نہیں دیا ہے۔ اسی طرح 57 مسلم ممالک بھی چند شہروں میں چند برادریوں یا زیادہ سے زیادہ لاکھ ڈیڑھ لاکھ افراد کے جمع کر لینے سے کچھ نتائج پیدا نہیں کر سکتے۔

اپنی تنومند افواج اور ان کی قیادتوں کی مہارت اور تجربے سے اگر فلسطینیوں کو کچھ ایسا نہیں دیا جا سکتا جو بامعنی ہو اور نتیجہ خیزی کا حوالہ بن سکتا ہو تو کم از کم غزہ کے سب باسیوں کے لیے اپنے وافر مالی وسائل اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے تو ضرور کچھ کیا جا سکتا ہے۔ کم از کم علامتی طور پر اپنے سفارتکاروں کی تعداد میں کچھ مستقل یا عبوری کمی کی صورت تو پیدا کی جا سکتی ہے۔

اسی طرح آج کے دن سے اسرائیل اور اس کے حامی ملکوں کی مصنوعات اور برانڈز کے بائیکاٹ ہی کی ایک منظم مہم حکومتی و عوامی شمولیت کے ساتھ شروع کی جا سکتی ہے۔ نیز اقوام متحدہ سے تھوڑی جانداری کے ساتھ اور طاقت کے متبادل عالمی مراکز کی حمایت کے ساتھ دباؤ ڈالا جا سکتا ہے کہ یکجہتی دکھانی ہے تو اسے اب محض زبانی کلامی رکھنے کے بجائے ان کے ساتھ کیے گئے وعدوں کے سلسلے میں عمل کر کے دکھائے۔ اگر یہ سب نہیں کیا گیا تو دشمن کو کہنے کا موقع ملے گا مسلمان نہیں راکھ کا ڈھیر ہیں۔

یہ سطور جہاں 29 نومبر 1947ء کی یاد دلاتی ہے جب مسئلہ فلسطین کے مستقبل کے بارے میں ہونے والی ووٹنگ میں اپنی مرضی کے نتائج حاصل کیے گئے تھے وہیں 24 نومبر 2023ء کو اسرائیلی فوجی کی غزہ پر وہ بمباری کبھی نہیں بھولیں گی جس نے اس کا انتساب اپنی دوسالہ بیٹی کی سالگرہ کے نام کیا۔

بشکریہ: [العربیہ اردو]

براہ راست رپورٹ: بلال خالد

ظہران محمود ممدانی: میئر نیویارک منتخب

ظہران محمود ممدانی طویل اور سخت انتخابی مہم کے بعد، ڈونلڈ ٹرمپ کی ہر طرح کی دھمکیوں کے باوجود نیویارک سٹی کے 111 ویں میئر منتخب ہو گئے۔ وہ نیویارک اسمبلی کے لیفٹ ونگ کے مسلم سوشلسٹ رکن تھے۔ ان کی مہم کی بنیاد یہ تھی کہ وہ نیویارک کی ورکنگ کلاس کے حالات بہتر بنانے کے لیے کام کریں گے۔ دوسری بات یہ تھی کہ انہوں نے صدر ڈونلڈ ٹرمپ کو کئی محاذوں پر چیلنج دیا اور یہ تاثر دینے میں کامیاب رہے کہ وہ ایک جرأت مند لیڈر رہیں۔ تیسرا محاذ انہوں نے اسرائیل کے خلاف کھولا۔ انہوں نے بالخصوص بنیامین نیتن یاہو کو للکارا اور کہا کہ وہ نیویارک آئے تو وہ انہیں گرفتار کر لیں گے۔ چوتھا چیلنج انہوں نے اپنے سیاسی حریف ایڈورڈ کومو کو دیا جو نیویارک کے گورنر سے معزول ہوئے تھے اور ان سے اخلاقی بے راہروی کے واقعات نوٹ ہوئے تھے۔

ممدانی بیک وقت ڈیموکریٹک پارٹی کے پرائمری فاتح بن کے ابھرے تھے جہاں انہوں نے مخالف امیدوار ایڈورڈ کومو کو شکست دی تھی جس کے بعد وہ آزاد امیدوار کے طور پر کھڑے ہوئے تھے۔ وہ ممدانی ورکنگ فیمیلیز پارٹی کے بھی رکن تھے۔

ممدانی نے اپنے انتخاب سے نیویارک سٹی کے پہلے مسلم میئر بنے، وہ سب سے کم سن میئر بنے۔ انتخاب کے وقت ان کی عمر 34 برس تھی۔ وہ پیدائشی طور پر امریکی نہیں تھے۔ وہ یوگنڈا میں پیدا ہوئے انہوں نے اپنے انتخاب کے بعد جمع ہونے والوں کے پہلے اجتماع سے خطاب میں کہا:

”آج کی رات، تمام تر مخالفتوں کے باوجود، ہمیں اس قابل بنا سکی کہ ہم جیت گئے ہیں۔ نیویارک، آپ نے تبدیلی کے لیے ووٹ دیا ہے، نئی طرز سیاست کے لیے مجھے منتخب کیا ہے۔ آپ نے ایک شہر کو تبدیل کرنے کے لیے ووٹ دیا ہے۔“

یاد رہے کہ ڈیموکریٹک سوشلسٹ آف امریکہ (DSA) امریکہ کی ایک بڑی تنظیم ہے۔ اس کے ایک لاکھ کے قریب ارکان ہیں۔ یہ پلیٹ فارم معاشی امور میں تبدیلی لانا چاہتی ہے۔ اس کے گراس روٹ نیٹ ورکس ہیں۔ امریکہ میں اس کی سینکڑوں شاخیں ہیں۔ امریکہ کے ڈیموکریٹک سوشلسٹس میں برنی سینڈرز ایک نمایاں نام ہے۔ وہ یہودی ہیں اور DSA کے رکن بھی ہیں۔ برنی نے امریکہ کے صدارتی انتخاب میں پرائمری سطح کے

ملک بھر کے انتخابات میں 13 کروڑ 20 لاکھ ووٹ لیے تھے۔ یہ کل ووٹوں کا 45 فیصد تھے۔ بل کلنٹن کو 16 کروڑ 90 لاکھ ووٹ ملے تھے۔ برنی ورماؤنٹ سے سینیٹ کے رکن بنے تھے۔ ممدانی کے انتخاب میں وہ ان کے ساتھ انتخابی ریلیوں سے خطاب کرتے رہے۔ ان کے علاوہ دو اہم شخصیات نے ان کا ساتھ دیا۔ ان میں ایک اوکاسیا کارٹز اور دوسری شخصیت راشدہ طلیب تھیں۔ راشدہ پہلی فلسطینی امریکن ہیں جو کانگریس کی پہلی رکن ہیں۔ وہ بھی ڈیموکریٹک سوشلسٹ ہیں۔ وہ 2018ء میں بھی کانگریس کی رکن بنی تھیں اور ہیلتھ کیئر کے لیے سرگرم رہی تھیں۔

ظہران ممدانی حالیہ برسوں میں ڈی ایس اے کے پلیٹ فارم سے نمایاں ہوئے۔ وہ کرایہ داری میں اصلاحات، کرایے کے بناء بس سروس، امیر طبقات پر بھاری ٹیکس لگانے جیسے امور پر مہم چلا رہے تھے۔

ان کی مہم کے دوران فلسطین کے حق میں بڑے مظاہرے شروع ہوئے تو ممدانی نے فلسطین کو اپنی انتخابی مہم کا حصہ بنا لیا۔ انہوں نے اس وقت ملکی و بین الاقوامی سطح پر اسرائیل کے وزیراعظم بنیامین نیتن یاہو کی نیویارک آنے کی صورت میں گرفتاری اور فلسطینیوں کی نسل کشی کے خلاف آواز بلند کرنا شروع کی۔

جب وہ میئر منتخب ہو گئے تو یہودی لابی کی جانب سے کہا جانے لگا کہ وہ مقامی ایشوز کی سیاست کر کے جیتے ہیں۔ اس لیے اسرائیل کی مخالفت ایک ثانوی اور عارضی معاملہ ہے۔ نیویارک ایک مہنگا شہر ہے۔ یہاں رہنا آسان نہیں ہے۔ اس کے شہری ان سہولتوں سے نالاں رہتے ہیں جو انہیں انتہائی مہنگے داموں دستیاب ہو رہی ہیں۔ انہیں ووٹ دینے والوں نے بلاشبہ گھروں کے بڑھتے کرائے اور قیمتوں، ٹرانسپورٹ کی مہنگی ٹکٹوں اور چائلڈ کیئر جیسے امور کو اہمیت دی ہے۔

ممدانی کو ووٹ دینے والوں کا ایک اور اہم رجحان یہ رہا کہ وہ اسرائیل کو قانونی درجہ دینے کے خلاف ہیں۔ نیویارک سٹی میں اسرائیل کو ایک غاصب ملک سمجھا جاتا ہے جو فلسطینیوں کو اس لیے دباتا اور مارتا ہے تاکہ وہ رائے کے اظہار کے لیے استصواب کی بات کرتے ہیں۔

ان کی مہم میں ایک اور عنصر ایڈورڈ کومو کی صورت میں ان کا مخالف امیدوار تھا۔ کومو اپنی نازیبا حرکات کی وجہ سے بدنام ہو چکا تھا۔ ممدانی نے اس بارے میں کوئی شک رہنے نہیں دیا تھا کہ وہ فلسطینیوں کا زبردست حامی اور کومو اتنا ہی اسرائیل کا حامی تھا۔ ممدانی کہتا تھا کہ اسرائیل یہودی ریاست نہیں بل کہ یہ فلسطین پر قابض ریاست ہے۔

جب 7 اکتوبر 2023ء کا واقعہ ہوا تو ممدانی نے کہا کہ اس میں شک نہیں ہے کہ کچھ اسرائیلی مارے گئے ہیں لیکن 8 اکتوبر کو سینکڑوں فلسطینیوں کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ یہ بہت سنگین معاملہ ہے۔ اب ضروری ہے کہ اسرائیل کے نسل پرست اقدامات کو روکنے کے لیے دنیا میدان میں آئے۔ اس کے فلسطین کے بارے میں مؤقف سے اس کی مہم کے ارکان پریشان تھے۔ وہ بار بار کہہ رہا تھا کہ اسرائیل غزہ میں نسل کشی کر رہا ہے اور اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔ وہ اسرائیل اور اس کی مصنوعات کے بائیکاٹ کی مہموں کی حمایت اور وکالت کرتا رہا۔

ممدانی نے واضح طور پر کہا کہ تاریکی کے خلاف اس کا انتخاب ایک روشنی ہے۔ اس نے میونسپل اور نیشنل سیاست میں اس سے بھی زیادہ جرأت مند کردار ادا کرنے کا عندیہ بار بار دیا۔ وہ کہتا رہا کہ ہم متحد رہے تو ہم ایک جمہوری تبدیلی کی نسل کو ساتھ لے کر چلیں گے۔ ہم امیر طبقات اور آمریت کے علمبرداروں کو زبردست شکست دیں گے۔ ان سے بھاری ٹیکس لے کر نیویارک کے غریبوں پر خرچ کریں گے۔ اگر ہم اس نئی جرأت مند مہم میں کامیاب ہو گئے تو ہم ان کا راستہ روکیں گے۔

اس مہم کے دوران کہا گیا کہ یہودیوں کی مخالفت دراصل مخالفوں کی تاریک سیاست ہے۔ ہم واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ایسے نعرے لگانے والوں کی وجہ سے یہ جرأت ہوئی کہ اسرائیل ایک ایسی یہودی ریاست کے طور پر سامنے لایا گیا۔ جہاں مخالف کا نکتۂ نظر سننے کی کوئی گنجائش چھوڑی نہیں گئی۔ اس سے تمام مسائل پیدا ہوئے۔

نیویارک میں ایک پینل کا اہتمام ''سوشلسٹ انٹرنیشنلزم'' کے عنوان سے کیا گیا۔ اس میں ممدانی نے واضح الفاظ میں کہا کہ نیویارک ہی پولیس تشدد کی ذمہ داری اسرائیل پر عائد ہوتی ہے۔ اس نے بڑے واضح طور پر اس کی وجوہات بیان کیں۔ اس نے کہا کہ ہم میں سے ہر کسی کو ان امور کا نوٹس لینا چاہیے۔ اس نے زور دے کر کہا کہ نیویارک سٹی میں جب بھی پولیس حرکت میں آتی ہے اور مظاہرین پر حملہ آور ہوتی اور تشدد کرتی ہے تو ضرور نوٹس لینا چاہیے کہ اس کے پیچھے اسرائیل کی قابض فوج ہوتی ہے۔

ممدانی کی فتح کے بعد یو جے اے فیڈریشن آف نیویارک، شہر میں یہودیوں کی سب سے بڑی تنظیم، نے محتاط انداز میں ممدانی کے چیلنج اور اس سے پیدا شدہ خطرے پر بات کی۔ تنظیم نے کہا کہ ووٹرز نے بہت سے مقامی مسائل کی وجہ سے ممدانی کو ووٹ دیا ہے۔ لیکن

ہم اس حقیقت کو کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتے کہ میئر منتخب ہونے والے ممدانی نے ہماری کمیونٹی کے بارے میں بعض باتیں کی ہیں۔ وہ ہماری اہم اقدار کے خلاف بات کر رہے ہیں۔ ہم ممدانی سمیت منتخب ہونے والے ارکان کو اس اعتبار سے جواب دہ سمجھتے ہیں کہ نیو یارک کو ایک ایسی جگہ اور ایسا شہر ضرور رہنا چاہیے۔ جہاں یہودی کمیونٹی اسرائیل کی حمایت پہلے کی طرح کرتی رہے۔

اس بارے میں بعض غیر یہودی حلقوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ ظہران ممدانی اسرائیل کے مخالف ہیں اور وہ یہ مخالفت جاری رکھیں گے۔ یہودی لابی کو اپنی سرگرمیاں جاری رکھنی چاہئیں۔ اسے کسی نے اسرائیل کی حمایت سے روکا تو ہرگز نہیں ہے۔ یہودیوں نے بھی زیادہ تر اسے ہی ووٹ دیا ہے تو پھر اس سے خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

اسرائیلیوں اور یہودیوں کا خیال ہے کہ تعلیمی اداروں اور میڈیا بچوں کو اسرائیل مخالف رجحانات کی طرف لے جایا جائے گا۔ ایک یہودی نے کہا کہ اسرائیل کی نسل کشی سے مزید مسائل پیدا ہوں گے۔ ان کو ممدانی استعمال کرتے رہیں گے۔

ایک اور یہودی نے کہا کہ میری گلی میں اب ہولوکاسٹ کے خلاف باتیں ہوں گی۔ ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی نہیں ہوگی۔ لوگ اسرائیل کے خلاف کھل کر بات کریں گے۔

اس بارے میں ایک تجزیہ حامد دباشی نے بھی لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''وہ اسے (ممدانی) کے خلاف زہریلے اور نفرت بھرے جذبات کو عام کریں گے۔ ان کے سخت ترین مخالف ارب پتی، نسل پرستی کی حمایت کرنے والے ربی، اسلام وفوبیا پھیلانے والے نفرت کے سوداگر اور ان کے ٹیبلائڈز زہر اگلیں گے۔ وہ ٹی وی پروگراموں پر دولت نچھاور کر کے ممدانی کو عفریت بنانے پر زور صرف کریں گے، جھوٹی خبریں دی جائیں گی اور انسٹا گرام پر ان کا واویلا بہت بڑھ جائے گا۔''

جب اکتوبر 2025ء کے آخری ہفتہ میں انتخابی مہم نے زور پکڑا تو ممدانی کے خلاف اسرائیل کے حامی ربی حضرات نے ایک خط جاری کیا اور اس میں بتایا کہ وہ کیونکر ایک مسلم امیدوار کے خلاف مذہبی جنگ شروع کر رہے ہیں۔ اس خط کا عنوان تھا: ''یہودیت اکثریت''۔ اس میں فیک نیوز شامل کی گئیں، فراڈ پر مبنی دعوے کیے گئے۔ لیکن کوئی بھی قابل تصدیق وجہ بیان نہیں کی گئی کہ یہ بڑے اور متمول یہودی ربی یہودی اکثریت کی حمایت سے ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ اور ان کا تعلق نیو یارک سٹی سے ہے۔

پھر ایک آزمودہ تکنیک استعمال کی گئی جسے Hasbara کہا جاتا ہے۔ اس تکنیک کے ذریعے یہ کوشش کی گئی کہ ان بے شمار یہودیوں کو بے وقعت کیا جائے جو ممدانی کی حمایت کر رہے تھے۔ انہوں نے ممدانی کے خلاف اس نفرت پر مبنی مہم کا حصہ بننے سے انکار کر دیا۔

اس کا الٹا اثر یہ ہوا کہ نیو یارک سٹی کے یہودیوں نے ممدانی کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ وہ ممدانی کے حق میں مہم کا حصہ بھی بن گئے۔

جنگجو فطرت کے ربیوں نے ممدانی کے خلاف مہم شروع کرتے ہوئے اپنی مہم کو کسی مستحکم منطق کا سہارا نہیں بنایا تھا۔ امریکہ بھر کے ربی صرف یہ چاہتے تھے کہ یہودیوں کی پورے امریکہ میں یکجہتی اور خوشحالی داؤ پر لگی ہوئی ہے۔ ہم اپنی مہم اس لیے شروع کر رہے ہیں کیوں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم ان حالات میں خاموش نہیں رہ سکتے کیوں کہ صیہونیت مخالف قوتیں ممدانی کے حق میں نکل آئی ہیں۔ ہماری پوری قوم کے خلاف اب محاذ بنا لیا گیا ہے۔

جب ربی اپنے اجتماعات کو اس طرح کے پیغامات دیتے تھے تو وہ ایسا کسی شخصی حیثیت سے نہیں کر رہے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ انتخاب صرف انہی کا ہے، ایڈورڈ کومو ان کا ہی امیدوار ہے، اسی لیے فتح بھی انہی کی ہے۔ یہ ان کا کیک ہے اور وہی اسے کھائیں گے۔ ایک غلط فہمی یہ سامنے آئی کہ ربی حضرات جو کہہ دیں گے، وہی ہوگا۔ ان کی ہی اتھارٹی ہے کہ نیو یارک کے لوگ کسے اور کیوں ووٹ دیں گے۔ حالاں کہ عام ووٹر کہہ رہا تھا کہ مذہب اور سیاست کو الگ الگ رہنا چاہیے۔ اس طرح وہ زیادہ سے زیادہ ٹیکس چھوٹ حاصل کر سکیں گے جن کا وعدہ ان سے ممدانی کر رہے تھے۔

پھر ایک اور ایشو چھیڑا گیا کہ ممدانی ایک مسلمان ہے۔ اس سلسلے میں بھی ربی حضرات نے غلطی کی اور لغزش کھا گئے۔ جب عام ووٹر مذہب کی بنیاد پر ووٹ ڈال ہی نہیں رہا تھا تو مسلم یا یہودی امیدوار کا فرق کوئی فرق نہیں تھا۔ ممدانی تو وہی بات کر رہے تھے جو ووٹر سمجھ رہا تھا کہ یہی سچ ہے۔ وہ غزہ میں جاری نسل کشی کو نشانہ بنا رہا تھا تو دنیا بھر کے کروڑوں انسان بالکل ایسا ہی کہہ رہے تھے۔ وہ نیتن یاہو کو نیو یارک سٹی آنے پر گرفتار کرنے کی بات کر رہا تھا تو ہر آزاد انسان کے یہی جذبات تھے۔ وہ تو بس ان کی ترجمانی کر رہا تھا۔ کوئی نئی بات نہیں کر رہا تھا۔

ربی حضرات نسل کشی ہوتی دیکھ رہے تھے لیکن دنیا کی نگاہوں میں دھول جھونکنے کے لیے آئیں بائیں شائیں کر رہے تھے۔ فلسطینیوں کے ظلم کے قصے گھڑ رہے تھے۔ وہ سچ نہیں بول رہے تھے۔ لیکن دوسرا فرق اور بھی تھا کہ سارے ربی حضرات اس جھوٹ کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ وہ نسل پرستی کی، نسل کشی کی حمایت نہیں کر رہے تھے۔ ردعمل پر اترے ربی ایک دستاویز پر نیو یارکرز سے دستخط لے رہے تھے کہ فلسطینیوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ خود ان کا کیا دھرا ہے۔ ایسے ربی بہت بڑی تعداد میں تھے جو اس دستاویز پر نہ صرف دستخط نہیں کر رہے تھے بل کہ اس کے متوازی دستاویز میں نسل کشی کے خلاف دستخط لے رہے تھے۔ وہ اسرائیل کے جرائم کو انسانیت کے خلاف جرائم قرار دے رہے تھے۔

اس لیے بے شمار یہودی ان نیو یارکرز کے ساتھ آن ملے تھے جو ممدانی کی حمایت کر رہے تھے۔ وہ اس کے میئر بننے کے امکانات روشن کر رہے تھے۔ یہ پہلا انتخاب تھا جس میں یہودی ووٹ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ اس میں ممدانی کا کمال صرف یہ تھا کہ وہ فلسطین کی حمایت کر رہے تھے۔

نیو یارک میں اس طرح یہ ووٹ پرائمری ووٹ سے لے کر اب تک یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی جنگی معرکہ ہرگز نہیں تھا۔ یہ ان یہودیوں کے خلاف خود یہودیوں کا ایک معرکہ تھا جن کے مطابق غزہ میں اسرائیل نیتن یاہو کی قیادت میں فلسطینیوں کا غیر منصفانہ اور بے دریغ قتل عام کر رہا تھا۔ اس میں پہلے جو بائیڈن اور اب ڈونلڈ ٹرمپ اس کا غلط طور پر ساتھ دے رہے تھے۔

یہ انتخاب امریکیوں کے لیے بھی ایک بیرومیٹر ثابت ہو رہا تھا جس کے ذریعے لاکھوں امریکی دیکھ رہے تھے کہ وہ پہلی مرتبہ ارب پتی اشرافیہ کو سخت چیلنج دیا جا سکتا ہے۔ وہ ان کے ربی حضرات کو بھی ہرا سکتے ہیں اور ان کے خلاف بات بھی کر سکتے تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ انسانیت کے خلاف جرائم کوئی بھی کرے، اسے اس بنیاد پر معاف نہیں کیا جا سکتا کہ وہ یہودی، صیہونی یا طبقہ اشرافیہ کا ارب پتی نمائندہ ہے۔

ایک اور حقیقت یہ سامنے آئی کہ نسل کش یہودیوں، ارب پتی امریکیوں، ان کے ٹیبلائیڈز کا فائدہ نیو یارک ٹائمز ہے۔ اس کے ساتھ نیو یارک پوسٹ، فوکس نیوز اور تازہ ترین

خریدا گیا سی بی ایس نیوز بھی تھے جو ممدانی کے خلاف رقوم لے کر سٹوریز چلا رہے تھے۔ وہ اسے ایک عفریت بنا کر پیش کر رہے تھے اور اس کے مسلمان ہونے کو چیلنج کر رہے تھے اور عوام کو بتا رہے تھے کہ یہ عفریت مسلمان بھی ہے۔

وہ ایک مسلمان سے ہی شکست نہیں کھا رہے تھے بل کہ وہ نیو یارکرز کی ایک ایسی کہکشاں کے مقابل آ رہے تھے جس کو بڑی تعداد میں یہودیوں کا اعتماد حاصل ہو چکا تھا۔ وہ سب سمجھ رہے تھے کہ وہ یہودی ہوں یا مسلمان، انہیں ممدانی کی صورت میں خود مختاری مل رہی تھی۔ وہ ارب پتی اشرافیہ سے آزادی حاصل کر رہے تھے۔

دوسری طرف نسل پرست ربی حضرات کا مسئلہ یہ تھا کہ وہ محض اس لیے ہی نسل کشی کی حمایت کر رہے تھے کہ اسرائیل یہ سب کر رہا تھا اور نشانہ بے گناہ فلسطینی بنائے جا رہے تھے۔

اس صورت حال نے یہودیوں اور صہیونیوں کے درمیان خلیج حائل کر دی تھی جس کا اندازہ صہیونی درست طور پر نہیں کر سکے۔ دنیا نسل کشی کے خلاف سراپا احتجاج تھی اور یہ صہیونی نسل کشی کے حق میں تھے۔ نیو یارک کا یہودی سمجھ رہا تھا کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے فلسطینی بری طرح امریکی اسلحہ سے مارے اور ذبح کیے جا رہے ہیں۔ صہیونی اس کی مذمت کرنے پر آمادہ ہی نہ تھے۔

میئر شپ کے اس انتخاب نے پورے امریکہ کا سیاسی و تمدنی منظر نامہ تبدیل کر دیا تھا۔ ممدانی نے بڑی جرأت اور کامیابی سے امریکیوں کو دکھا دیا تھا کہ اسلاموفوبیا کا نعرہ دراصل ہے کیا۔ ممدانی نے بتایا کہ یہ صہیونیوں کا پروپیگنڈہ ہے، اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ مسلمانوں کو الگ تھلگ کرنے، ان کو عفریت ثابت کرنے اور لاکھوں مسلمان امریکیوں کے خلاف ان سیٹلر یہودیوں کا پروپیگنڈہ ہے جو یہاں سے جاتے ہیں اور مسلم مقبوضہ علاقوں میں یہودی بستیاں بساتے ہیں۔

ممدانی کے والد مسلمان اور والدہ ہندو ہیں۔ وہ فلسطینیوں کی نسل کشی کے مخالف ہیں اور اس کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں۔ وہ نسل پرست نہیں ہیں۔ وہ کسی نسل پرست انتظامیہ کے رکن نہیں ہیں۔ وہ اسرائیل کی سیٹلر سوسائٹی کے شدید ناقد ہیں۔

وہ صرف یہ نہیں کہتے کہ نیتن یاہو نیو یارک آئے تو وہ ان کو گرفتار کر لیں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ قاتل ہے، جنگی مجرم ہے۔ یہ انسانیت کا مجرم ہے۔ وہ اس کو بین الاقوامی قانون کے تحت گرفتار کر لیں گے۔ وہ صہیونی مافیا کے ہاتھ چومنے سے بھی انکار کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ سب مل کر اسے جان سے مارنا چاہتے ہیں۔

امریکہ میں نفرت کی مشینری نسل پرست صہیونی ہیں۔ ممدانی نے یہ فرق نمایاں طور پر پیش کیا ہے کہ صہیونی، نسل کشی کے حامی کی مخالفت کسی یہودی کی مخالفت نہیں ہے۔ وہ کہتے رہے ہیں کہ یہودی کو خود کو صہیونی کی نفرت زدہ سیاست سے الگ ہو کر سوچنا چاہیے۔ ہم مسلمان ہیں اور کسی یہودی کے کے دشمن نہیں ہیں لیکن ہم صہیونیت اور اس کے پیروکاروں کو معاف ہرگز نہیں کر سکتے۔ امریکی سیاست میں یہ ایک نیا رجحان ہے جو ممدانی نے پیدا کر دیا ہے۔

اب دنیا کے لیے ایک راستہ کھل گیا ہے کہ وہ دیکھ سکے کہ نیو یارک کے یہودیوں کے ایک بڑے حصے نے یہ پیغام دیا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کی آڑ لے کر نفرت کی مہم کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ یہودیوں نے ایک بیان جاری کیا اس میں بہت کھل کر کہا گیا ہے:

’’ہمارے دستخطوں سے بطور نیو یارکرز یہ بیان جاری ہو رہا ہے۔ ہم یہ اچھی طرح سمجھ رہے ہیں کہ ہمارا مستقبل نہایت خوبصورتی سے شہر کی ہر دوسری کمیونٹی کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ ہم اپنے ہر ہمسایے کے ساتھ کام کو تیار ہیں۔ ہم اس طرح سے نیو یارک سٹی میں کثیر نسلی معاشرہ تشکیل دینے میں اپنا کردار مثبت طور پر ادا کریں گے۔ ہم ایسی جمہوریت کا وعدہ کرتے ہیں جس میں ہر کوئی خود کو محفوظ سمجھے۔‘‘

یہی یہودیت کی حقیقت روح ہے جس کے لیے ہم ممدانی کے شکر گزار ہیں اس کے برعکس صہیونیت نے اپنا پیغام یوں جاری کیا ہے:

’’ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہودی مخالف (Anti-Semitism) اور اسلاموفوبیا کو عروج ملا ہے۔ اسرائیلیوں کو ہدف بنایا گیا ہے۔ ہم میں سے نیو یارک میں رہنے والا ہر صہیونی متفکر ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری سب کی قسمت ایک دوسرے سے جڑی ہے۔ ہماری روایت بتاتی ہے کہ انصاف تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک ہماری سب کی سلامتی کی ضمانت ملتی رہے گی، ہم خود کو محفوظ سمجھیں گے۔ یہ محض سٹریٹجی نہیں بل کہ یہ بہت مقدس ہے۔‘‘

صہیونی پروپیگنڈا کے خلاف ممدانی سب کو متحد دیکھنا چاہتے ہیں۔ نیو یارک ٹائمز مسلسل یہودی لابی کی طرف سے تفکرات کا اظہار کر رہا ہے۔ یہودی ممدانی کی میئر شپ میں اس کے ساتھ ہیں۔ وہ خود کو نسل کش صہیونیت سے آزاد ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ یہ امریکہ میں ایک نیا انقلاب ہے جس سے مستقبل کا اسرائیل متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکے گا۔

صورت حال: لمیس تغرید

حماس کو غیر مسلح کرنا۔ ایک مسئلہ

ٹرمپ انتظامیہ کے سامنے فوری مسئلہ یہ نہیں ہے کہ حماس کو کس طرح سے غیر مسلح کیا جائے، اس سے ہتھیار کس طرح لیے جائیں۔ اس وقت فوری کام یہ ہے کہ جیریڈ کشنر کی تجویز کردہ ساحلی تفریح گاہ (Rivrea) کی تعمیر کا کام کس طرح شروع کیا جائے۔ حماس سے اسلحہ رکھوانے کے لیے ایک مجوزہ استحکام فورس قائم کرنا ہی مشکل بنا ہوا ہے۔ اس فورس کے قیام سے پہلے غزہ کی تعمیر نو نہیں کی جاسکتی۔

10 اکتوبر سے غزہ میں جنگ بندی جاری ہے۔ اسرائیل روزانہ کسی نہ کسی بہانے بمباری کرتا ہے، بڑی باقی ماندہ عمارتوں کو نشانہ بناتا ہے یا کسی مقام پر اچانک فائرنگ کرادیتا ہے۔ اس کے برعکس حماس جنگ بندی کی پابندی کر رہی ہے۔ مبصرین کہہ رہے ہیں کہ موجودہ فائر بندی اپنے ابتدائی مرحلے میں ہے۔ اگلے مراحل پر مذاکرات ابھی ہونا ہیں جو شروع نہیں ہوسکے۔ پہلا مرحلہ مکمل ہو چکا ہے۔ قیدیوں اور یرغمالیوں کا مرحلہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ فوت ہوجانے والے اسرائیلیوں کی لاشیں بھی واپس جاچکی ہیں تاہم فلسطینی قیدیوں میں سے بعض اہم شخصیات کو اسرائیل رہا نہیں کر رہا۔

اس وقت وائٹ ہاؤس کے لیے مشکل یہ ہے کہ اگلے مرحلے کے مذاکرات کے لیے اسرائیل کی طرف سے ڈیڈ لاک ہے۔ یہ بات خود اسرائیل کے ٹی وی چینل 13 نے اپنی نشریات میں بیان کی ہے۔

اسرائیل کے سیکیورٹی ذرائع کہہ رہے ہیں کہ وائٹ ہاؤس کو ان وعدوں کے ایفا میں مشکلات کا سامنا ہے جن پر عرب ممالک نے کہا تھا کہ وہ حماس کو غیر مسلح کرانے میں کردار ادا کریں گے۔ اس دوران میں کسی نوعیت کے عبوری حل کی بات ہو رہی ہے۔

حماس نے پہلے ہی واضح کر دیا تھا کہ وہ امریکہ اور اسرائیل کے حوالے کسی طرح کے ہتھیار بھی نہیں کرے گی۔ پہلے غزہ میں فورس بنائی جائے تو حماس کے جنگ جو اس کا حصہ بن جائیں گے۔ وہ اپنے ہتھیار بھی ساتھ ہی رکھیں گے۔ اسرائیلی حکام کہہ رہے ہیں کہ جس عبوری انتظام کی حماس بات کر رہی ہے، وہ اس کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ ان حکام کا کہنا ہے کہ بحالی کا عمل (Rehabilitations) تب تک شروع نہیں ہوسکتا جب تک حماس مکمل طور پر Demilitaration پر تیار نہ ہوجائے۔

اب امریکہ اس امن پراسیس کا بنیادی ضامن ہے۔ امریکہ اب اقوام متحدہ کو درمیان میں لا رہا ہے جس ہر قرارداد اس نے اس سے پہلے اسرائیل کے حق میں ویٹو کردی تھی۔ اس نے اقوام متحدہ میں جو ڈرافٹ جمع کرایا تھا، اس میں صدر ٹرمپ کے تمام 20 نکات شامل کردیے تھے۔ ان نکات کی ستمبر میں ایک مشترکہ پریس کانفرنس میں اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو اور صدر ٹرمپ کی تر ثیق کردی تھی۔

ڈرافٹ میں کہا گیا تھا کہ غزہ کے لیے ایک بین الاقوامی استحکام فورس کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔ اسے 2027ء تک قائم رکھے جانے کے مینڈیٹ کی بات کی گئی تھی۔ کچھ ملکوں نے اس فورس میں اپنے دستے بھیجنے پر آمادگی ظاہر کردی تھی۔ کان پبلک براڈ کاسٹر کے مطابق اسرائیل نے حال ہی میں تیاریاں شروع کردی تھیں کہ اس کی فوج کی جگہ اقوام متحدہ کی مجوزہ فوجی آئیں گے۔ ان کی تعداد ہزاروں میں ہوگی۔

اسرائیل چاہتا تھا کہ اس امن فورس کو ایسے وسیع اختیارات دیئے جائیں جن کے ذریعے حماس کو غیر مسلح کیا جائے۔ یہ وہ کام ہے جو وہ دو سال تباہی پھیلانے کے باوجود نہیں کرسکا۔ جن ملکوں نے اس امن فوج میں شرکت کا عندیہ دیا یا آمادگی کا اظہار کیا تھا، وہ بھی حماس کو غیر مسلح کرنے میں دلچسپی نہیں ظاہر کر رہے۔ وہ صرف بحالی امن کے لیے کام کریں گے۔

امریکہ نے امن فورس میں حصہ لینے والے ملکوں کی مشترکہ پریس کانفرنس کا اہتمام کیا۔ اس میں کہا گیا کہ یہ ممالک صرف غزہ میں تنازعہ کے خاتمہ کے لیے کام کریں گے۔ وہ اس کام کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں امریکی قرارداد کی روشنی میں ہی کریں گے۔

اس بیان کی قطر، مصر، امارات، سعودی عرب، انڈونیشیا، پاکستان، اردن اور ترکی نے

حمایت میں بیان دیا اور قرار دیا کہ یہ عمل خطے میں فلسطینیوں کے آزادانہ استصواب رائے کی حمایت کرے گا اور فلسطینی ریاست تسلیم کرے گا۔

اسی دوران میں ویٹو پاور کے حامل روس نے متبادل ڈرافٹ سلامتی کونسل میں پیش کر دیا۔ اس میں کسی امن بورڈ یا عالمی فورس کے قیام کی یکسر مخالفت کر دی گئی۔

اس دوران میں امریکی وزیر خارجہ مارکو روبیو نے اقوام متحدہ کی وزارتی کانفرنس میں یوکرائن کے بارے میں بات کی۔ یہ 23 ستمبر کو کانفرنس میں کی گئی۔

روسی قرارداد نے غزہ میں جنگ بندی کو خوش آئند قرار دیا لیکن اس میں کہیں بھی ٹرمپ کا ذکر نہیں تھا۔ اس میں اس کے بجائے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل گوتریس سے کہا گیا تھا کہ وہ ایک رپورٹ پیش کریں کہ غزہ میں اقوام متحدہ کی فورس کے قیام کے امکانات کیا ہیں اور یہ فورس کیا کام کرے گی۔

اس بارے میں اجلاس سے پہلے ولادی میر پوٹن اور بنیامین نیتن یاہو نے ایک دوسرے سے فون پر بات چیت کی جس کے بارے میں کریملن نے کہا کہ دونوں نے صورت حال پر غور کیا اور بات کی۔ اس میں مشرق وسطیٰ کی مجموعی صورت حال بھی زیر بحث رہی اور غزہ میں ہونے والے واقعات پر بھی بات کی گئی۔ دونوں نے ایران کے جوہری پروگرام اور شام کی صورت حال پر بھی گفتگو کی۔ اسرائیل کا کہنا ہے کہ گفتگو کا آغاز پوٹن نے کیا۔

الجزیرہ نے اسی بارے میں میٹ ناشد کی ایک رپورٹ شائع کی ہے اس میں کہا گیا کہ اسرائیل اور حماس نے ٹرمپ پلان کے پہلے عمل درآمد مرحلے پر اتفاق کیا تھا لکین دونوں اطراف سنگین نوعیت کے اختلافات موجود ہیں۔ ان میں سب سے اہم حماس کو غیر مسلح کرنے کا معاملہ ہی ہے۔

اسرائیل مدت سے مطالبہ کرتا آ رہا ہے کہ حماس اس کی فوج کے سامنے اپنے ہتھیار پھینک دے۔ اسی مقصد کے لیے اس نے دو سال غزہ میں یک طرفہ جنگ کر کے بھی کچھ حاصل نہ کیا۔ اس نے سارا غزہ ملبے کا ڈھیر ضرور بنا دیا لیکن کسی ایک جنگ جو نے اپنے ہتھیار نمائشی طور پر بھی اس کے حوالے نہیں کیے۔ دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ حماس غزہ میں حکومت سازی سے الگ ہو جائے اور خود کو ایک تنظیم کے طور پر تحلیل کر دے۔

حماس نے ان دونوں مطالبات کو عوام کے سامنے ہی مسترد کر دیا۔ تاہم مبصرین کا کہنا ہے کہ حماس نے دوسرے مطالبہ پر کھلے پن کا مظاہرہ کیا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ وہ کسی تیسرے فریق کے حوالے اپنے ہتھیار بھی کر سکتی ہے۔ جہاں تک غیر مسلح ہونے کا معاملہ ہے، حماس نے اپنے مؤقف میں بڑی اہم تبدیلی پر آمادگی ظاہر کی۔ اسرائیل فلسطین امور کے ماہر ہیولو ویٹ نے اسے بڑی تبدیلی کہی۔ ہیولو ویٹ کا تعلق یورپین کونسل آف فارن ریلیشنز سے ہے۔ حماس نے درمیان میں مذاکرات کے دوران کردار ادا کرنے والوں سے کہا کہ حماس کسی مرحلے پر اپنے مزاحمتی ہتھیاروں سے دستبرداری کا فیصلہ بھی کر سکتا ہے۔

بعض ماہرین کا کہنا ہے کہ حماس کی طرف سے ہتھیاروں سے علیحدگی میں تاخیر سے جنگ بندی پر برے اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ اسرائیل غزہ میں دوبارہ نسل کشی کی جنگ شروع کر سکتا ہے۔ اس سے غزہ کی آبادی کی مشکلات ایک مرتبہ پھر بڑھ جائیں گی۔

کسی مسلح گروہ کو اپنے ہتھیار اٹھانے کا پورا حق حاصل ہے۔ وہ کسی بھی قابض قوت کے خلاف مزحمت کا جائز حق رکھتی ہے۔ یہ اقدام عالمی انسانی قانون کے بھی عینمطابق ہے۔ وہ اپنے عوام کے حقوق کا تحفظ بھی کر سکتی ہے۔

دوسری طرف اسرائیل اور اس کے مغربی اتحادی عرصہ دراز سے یہ کہتے ہیں کہ تمام فلسطینی گروہ بشمول حماس اپنے ہتھیار پھینک دے، خود کو غیر مسلح کر دے۔ جب وہ ایسا کرے گی تب ہی اس سے بامعنی مذاکرات ہو سکتے ہیں۔ یہ ایک طرح کی پیشگی شرط ہے جس کے تسلیم کیے جانے پر ہی بات آگے بڑھ سکتی ہے۔ دوسری طرف فلسطینی گروہ کہتے ہیں کہ پیشگی شرط یہ ہے کہ اسرائیل کو قابض کہا جائے، وہ مقبوضہ عرب علاقے پہلے خالی کرے، اپنے ہر طرح کے حملے بند کرے، غزہ کی ناکہ بندی ختم کرے۔

حماس کسی صورت میں اوسلو معاہدہ تسلیم کرنے یا اس کا حصہ بننے اور اسرائیل کو تسلیم کرنے پر ہرگز تیار نہیں ہے۔ اسرائیل اپنے مطالبات منوانا چاہتا ہے۔ حماس کے دوسری طرف غیر مسلح ہونے کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ انٹرنیشنل کرائسس گروپ کے نمائندہ کا کہنا ہے کہ حماس اتنا کر سکتی ہے کہ وہ اپنے مزاحمتی ہتھیار ترک کر دے۔ ان میں شارٹ رینج اور لانگ رینج میزائیل شامل ہو سکتے ہیں۔

گروپ کا کہنا ہے کہ حماس اپنے چھوٹے ہتھیار کسی بھی صورت میں کسی کے بھی حوالے نہیں کرے گی۔ وہ اپنی سرنگوں کا نقشہ بھی کسی کو کسی قیمت پر فراہم نہیں کرے گی۔ اس نے یہ نیٹ ورک برسوں کی محنت سے اسرائیل کے خلاف جدوجہد کے بعد تیار کیا ہے۔

حماس نے کسی مرحلے پر اپنے ہتھیار ترک کرنے کا فیصلہ کیا تو بھی یہ بہت ہلکے ہتھیار ہوں گے۔ ان ہتھیاروں کی کم ہی ضرورت پڑتی ہے۔ ان ہتھیاروں کو بھی ایسی فلسطینی قیادت کے حوالے حماس کرے گی جب اسرائیل فلسطین سے باہر نکلے، اپنا قبضہ ختم کرے اور فلسطین کی قیادت کو اقتدار دے۔

یہ بات یاد رہے کہ 7 اکتوبر 2023ء سے پہلے بھی حماس مزاحمتی فلسطینی گروہوں میں سے سب سے بڑی تنظیم تھی۔ دوسرے گروہوں میں فلسطینی اسلامی جہاد (PIJ)، دی پاپولر فرنٹ فار دی لبریشن آف فلسطین (PPLP) اور الاقصیٰ مارٹائر بریگیڈ شامل ہیں۔

ان سب گروپوں نے اسرائیل کے خلاف طویل اور صبر آزما جنگ لڑی ہے۔ یہ بات واضح نہیں ہے کہ اسرائیل انہیں کس حد تک نقصان پہنچا سکتا ہے۔

اسرائیل نے نسل کشی کی گزشتہ دو سال کی جنگ میں بہت سے بدنام زمانہ گروہ بھی تشکیل دے۔ اس کا علم اقوام متحدہ، انسانی حقوق کے عالمی اداروں اور دیگر کو بھی ہے۔ ان گروپوں سے اس نے غزہ میں قتل و غارت کا بازار گرم کیے رکھا ہے۔

غزہ کے عوام کی اکثریت کی رائے میں حماس کو اپنے ہتھیاروں سے کسی بھی صورت اور کسی درجے میں بھی دستبردار نہیں ہونا چاہیے۔ ان کی مدد سے وہ کم از کم ان گینگ نما گروپوں کا صفایا تو کر سکتی ہے جو عوام کے خلاف لڑتے اور اسرائیل کے ہاتھ مضبوط کرتے رہتے ہیں۔ اگر حماس اپنے ہتھیاروں سے دستبردار ہو جاتی ہے تو ایک خلاء پیدا ہو جائے گا جس میں یہ گینگ زیادہ کھل کر نقصان پہنچائیں گے۔

اسرائیل نے یہ گینگ بنائے ہیں اور ان کو خود کار اسلحہ دیا ہوا ہے۔ اب وہ حماس کو غزہ سے نکالنا چاہتا ہے۔ داخلی سلامتی کے لیے حماس کا باقی رہنا بہت ضروری ہے۔ غزہ کے لوگوں کا کہنا ہے کہ سیکیورٹی کی ضمانت حماس ہی دے سکتی ہے۔

لوواٹ کا کہنا ہے کہ حماس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ کسی عبوری ٹاسک فورس سے تعاون کر سکتی ہے اور اسی کو عارضی طور پر ہتھیار اس کے حوالے کر سکتی ہے۔ حماس صرف ایسی فورس سے ہی تعاون کر سکتی ہے۔ اس میں بھی یہ دیکھے گی کہ یہ فورس کن ممالک پر مشتمل ہے۔ جو ممالک اسرائیل کو تسلیم کر چکے یا کر سکتے ہیں، ان سے حماس کو کسی قسم کی امید نہیں ہو گی۔

براہ راست رپورٹ: اقراء فہد

سلامتی کونسل نے اسرائیل کو کلین چِٹ دے دی

اب اہل غزہ کی نسل کشی اقوام متحدہ کے مینڈیٹ سے ہوگی!

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں قرارداد 2803 پیش کی ہے جس میں مبہم زبان استعمال کرتے ہوئے انہیں غزہ کے معاملات کنٹرول کرتے دکھایا گیا ہے۔ اس میں کہا گیا کہ اگر کچھ ٹارگٹ حاصل کر لیے گئے تو فلسطینی ریاست بن سکے گی۔

سلامتی کونسل نے اس قرارداد کو منظور کر لیا ہے۔ اس میں ٹرمپ پلان کے سارے 20 نکات کو شامل کیا گیا ہے۔ یہ قرارداد ایک انٹرنیشنل استحکام فورس کے قیام، فلسطین کے استصواب رائے کے ممکنہ امکانات، فلسطینی ریاست وغیرہ کا ذکر کرتی ہے۔

اس قرارداد کے حق میں 13 اور مخالفت میں کوئی ووٹ نہیں آیا جب کہ چین اور روس نے رائے شماری میں حصہ نہیں لیا جو خاصا معنی خیز ہے۔ یہ قرارداد ٹرمپ کی غزہ میں سپریم حیثیت کو تسلیم کرتی ہے۔ ان کے ''بورڈ آف پیس'' کو کثیر ملکی فورس کے قیام کا اختیار دیتی ہے جو غزہ میں امن قائم کرنے کی ذمہ دار ہوگی۔ فلسطینی ٹیکنو کریٹس کی ایک کمیٹی، مقامی پولیس فورس دو سال کے لیے قائم کی جائیں گی۔

یہ بات واضح نہیں ہے کہ مجوزہ ''بورڈ آف پیس'' کے ارکان کون ہوں گے اور کون اس کی تشکیل کا مینڈیٹ رکھے گا۔ ٹرمپ نے سوشل میڈیا پر کہا ہے کہ وہ اس بورڈ کے چیئرمین ہوں گے۔ گویا غزہ کے اصل حکمران بھی وہ خود ہوں گے۔ وہ اس میں دنیا کے بااثر ترین طاقت ور اور ''معزز'' شخصیات کو اس میں شامل کریں گے۔ عام خیال یہی ہے کہ کوئی فلسطینی ان میں شامل نہیں ہوگا۔

قرارداد میں کہا گیا ہے کہ استحکام فورس غزہ کی سرحدوں کو محفوظ بنائے گی۔ دوسرے الفاظ میں غزہ کی ناکہ بندی اب یہ فورس کرے گی تاہم یہ واضح نہیں ہے کہ اسرائیلی فورس کا محاصرہ اور غزہ کی ناکہ بندی ختم ہوں گے یا نہیں۔ یہ کہا گیا ہے کہ ایک تربیت یافتہ پولیس فورس یہ کام کرے گی۔ وہ دوسرے ملکوں کے ساتھ مل کر انسانی بنیادوں پر امداد غزہ پہنچائے گی۔ دوسرے الفاظ میں اس امداد کی آزادانہ نقل و حمل اب بھی ممکن نہیں ہوگی۔

اس قرارداد میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ مجوزہ استحکام فورس غزہ کی پٹی کو ''غیر فوجی علاقہ'' بنائے گی۔ اس میں مستقل بنیادوں پر تمام نان سٹیٹ ایکٹرز سے اسلحہ لے لیا جائے گا۔ اس مینڈیٹ کے تحت اس کام کے لیے قوت استعمال کی جا سکے گی۔ گویا اب نسل کشی اقوام

متحدہ کے مینڈیٹ سے ہوگی۔

حماس نے کہا تھا کہ وہ اسلحہ ترک کرنے پر تیار ہے، اس نے قرارداد کو مسترد کر دیا ہے۔ حماس نے کہا ہے کہ قرارداد میں فلسطینی حقوق کے تحفظ کی ضمانت نہیں دی گئی ہے اور نہ ہمارے مطالبات ہی اس میں شامل کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ غزہ پر ایک انٹرنیشنل ٹرسٹی شپ نافذ کرنے کی بات کی گئی ہے جس کی تمام فلسطینی اور مزاحمتی گروپ مخالفت کرتے ہیں۔

حماس نے کہا ہے کہ ''بین الاقوامی قوت کو غزہ میں ٹاسک دیے جا رہے ہیں، اسے مختلف کردار سونپے جا رہے ہیں، مزاحمت سے اسلحہ لینے کا کہا گیا ہے، اس میں غیر جانبداری کے خاتمے کی بات کی گئی ہے اور اس طرح اس فورس کو ایک پارٹی بنا دیا گیا ہے جس سے قابض اسرائیل کی حمایت کی گئی۔''

مزید کہا گیا ہے کہ ''قرارداد اسرائیلی فوج کے غزہ سے ہٹائے جانے اور یہ کام بعض ''معیارات''، ''سنگ میل'' اور ''ٹائم فریم'' سے مشروط کیے گئے ہیں اور اس کے ''غیر فوجی علاقہ'' کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، جن کے مطابق استحکام فورس کام کرے گی، امریکہ اور جنگ بندی کی ضمانت دینے والے موجود رہیں گے۔

قرارداد میں مبہم زبان استعمال کی گئی ہے، کسی بھی طرح سے کوئی واضح معاہدہ نہیں کیا گیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ فلسطینی اتھارٹی پوری طرح سے اپنے اندر اصلاحات لاتی ہے اور یہ کام وفاداری سے کرتی ہے، غزہ کی تعمیر نو آگے بڑھتی ہے، تب ایسے حالات پیدا ہو سکتے ہیں جن سے پائیدار بنیاد پر فلسطینی استصواب رائے اور فلسطینی ریاست کا راستہ کھل سکتا ہے۔

حماس نے انہی بنیادوں پر قرارداد پر اپنے شدید تحفظات پیش کیے ہیں۔ اس نے اس قرارداد میں استحکام لانے کے مجوزہ طریقوں کو عدم استحکام کو مضبوط کرنے کے مترادف اور اسرائیلی فوج کے قبضے کو مزید مستحکم کرنے کے مترادف قرار دیا ہے۔

اس قرارداد کو اقوام متحدہ کی 2803 نمبر قرارداد کہا گیا ہے۔ ذیل میں اس کا مکمل متن ترجمے کے دیا جا رہا ہے۔

قرارداد 2803 (2025)

یہ قرارداد 17 نومبر 2025ء کو سلامتی کونسل کے 10046 ویں اجلاس میں منظور کی گئی ہے۔

سلامتی کونسل،

1۔ غزہ کے تنازعہ کے خاتمہ کے لیے جامع پلان بتاریخ 29 ستمبر 2025ء کو خوش آمدید کہتی ہے اور جن ریاستوں نے اس جامع پلان پر دستخط کیے ہیں، ان کی تعریف کرتی ہے، انہوں نے اسے قبول کیا اور توثیق کی ہے، مزید یہ کہ وہ ٹرمپ کے 13 اکتوبر 2025ء کے اس اعلان کو بھی خوش آمدید کہتی ہے کہ اس نے اس تاریخی اعلان برائے خوشحالی اور امن کے فروغ کی بات کی ہے۔ امریکہ کے تعمیری کردار جو اس نے ادا کیا ہے، کی قدر کرتی ہے، ریاستِ قطر، جمہوریہ مصر، جمہوریہ ترکیہ نے اس کا ساتھ دیا ہے۔

سمجھتی ہے کہ غزہ کی پٹی کی صورت حال سے علاقائی امن اور پڑوسی ریاستوں کی سلامتی کو خطرات لاحق ہیں اور سلامتی کونسل کی پہلے کی قراردادوں کے پیش نظر جن کا تعلق مشرق وسطیٰ کے امن سے ہے اور ان میں فلسطینی سوال بھی شامل ہے، نوٹ کرتی ہے۔

2۔ بورڈ آف پیس (BOP) کے قیام کو خوش آمدید کہتی ہے، یہ ایک عارضی انتظامیہ ایک بین الاقوامی لیگل شخصیت کے تحت ہوگی جو فریم ورک قائم کرے گی، فنڈنگ مربوط کرے گی، جامع پلان کے تحت ازسرنو غزہ میں کام کرے گی، یہ بین الاقوامی قانونی اصولوں کے مطابق، جب تک فلسطینی اتھارٹی (PA) اپنے آپ کو مطمئن حد تک اصلاحات سے درست نہیں کرے گی، ان اصلاحات کا ذکر مختلف تجاویز میں کر دیا گیا ہے، جن میں صدر ٹرمپ کا امن منصوبہ 2020ء، سعودی فرانسیسی تجاویز پر عمل کرے گی تو وہ غزہ کا کنٹرول سنبھالے گی۔ جب فلسطینی اتھارٹی (PA) ریفارم یعنی اصلاحات کے پروگرام پر وفاداری سے عمل پورا کرے گی اور غزہ میں ری ڈویلپمنٹ ہو جائے گی، تب ایک مناسب طریقہ سے تمام شرائط سامنے ہوں گی اور پھر فلسطینی استصواب اور فلسطینی ریاست کی طرف جایا جائے گا۔ امریکہ اس وقت اسرائیلیوں اور فلسطینیوں کے درمیان مکالمے کا اہتمام کرے گا جس کا مقصد پرامن اور خوشحالی بقائے باہمی کے مطابق سیاسی افق کا قیام ہوگا۔

3۔ بورڈ آف پیس کے ساتھ غزہ میں تعاون کرتے ہوئے انسانی بنیادوں پر امداد کی اہمیت کی توثیق کرتی ہے۔ یہ عمل بین الاقوامی متعلقہ اصولوں کے مطابق ہوگا اور تعاون کرنے والی تنظیموں کے تعاون سے مکمل ہوگا۔ ان میں اقوام متحدہ، انٹرنیشنل کمیٹی برائے ریڈ کراس اور ریڈ کریسنٹ شامل ہوں گی اور یقینی بنایا جائے گا کہ امداد کا استعمال قطعی پرامن مقاصد کے لیے ہوگا اور یہ مسلح گروہوں کے ہاتھوں منتقل نہیں ہوگی۔

4۔ بورڈ آف پیس کے رکن ملکوں کو اختیار دیتی ہے اور بورڈ آف پیس:

(A) ایسے معاہدوں میں شامل ہوگا جن کا مقصد جامع منصوبہ کے اصولوں کو حاصل کرنا ہوگا اور جو ان تمام مراعات اور استثنیٰ کے ساتھ عمل کرانے والی فورس کے ارکان کو پیراگراف 7

کے تحت حاصل ہوں گی، کے ساتھ کام کرے گی اور

(B) آپریشنل اعمال کا تعین کرے گی، جہاں ضروری ہوگا، بین الاقوامی قانونی شخصیت اور عارضی منتقلی انتظامیہ کے ساتھ کام کریں گی جو اس مقصد کے لیے کام کریں گی، جن میں:

(1) عارضی منتقلی انتظامیہ قائم کی جائے گی جس کو فلسطینی ٹیکنو کریٹ، غیر سیاسی کمٹی، جس میں قابل فلسطینی شامل ہوں گے اور ان کا تعلق غزہ کی پٹی سے ہوگا، اور عرب لیگ کی حمایت سے ہوں گے، وہ روزانہ کی بنیاد پر غزہ کی سول سروس کے کام سرانجام دیں گے اور انتظامیہ چلائیں گے۔

(2) غزہ کی تعمیر نو اور معاشی بحالی کے پروگراموں میں حصہ لیں گے۔

(3) عوامی خدمات مربوط بنانے اور انہیں سپورٹ کرنے کا کام کریں گے اور انسانی بنیادوں پر غزہ میں معاونت کریں گے۔

(4) غزہ سے اندر اور باہر افراد کی نقل و حرکت کی نگرانی کریں گے اور یہ سب کچھ جامع منصوبہ سے مشروط ہوگا۔

(5) جامع منصوبہ کو روبہ عمل لانے کے لیے جو بھی اضافی کام درکار ہوں گے، ان کو بروئے کار لائیں گے۔

5۔ ان تمام عملی اداروں (Entities) کو تسلیم کرتی ہے جن کا ذکر پیراگراف 4 میں کیا گیا ہے، یہ سب کام عارضی منتقلی انتظامیہ اور بورڈ آف پیس کی نگرانی میں ہوں گے۔ اس میں رضا کارانہ وسائل سے فنڈنگ ہوگی جس سے تعمیر نو اور غزہ کی ترقی کا کام لیا جائے گا۔ اس کام کے لیے مکمل وقف ٹرسٹ قائم کیا جائے گا جو اس مقصد کے لیے کام کرے گا اور فنڈز دینے والے اس کو چلائیں گے۔

6۔ عالمی بنک اور دوسرے مالیاتی اداروں سے کہتی ہے کہ وہ اس سلسلے میں آسانیاں پیدا کرنے کا کام کریں، مالی وسائل فراہم کریں تاکہ غزہ میں تعمیر نو اور ترقی کا کام مکمل کیا جائے۔

7۔ رکن ممالک کو یہ اختیار دیتی ہے کہ وہ بورڈ آف پیس کے ساتھ کام کریں اور بورڈ آف پیس ایسی عارضی بین الاقوامی استحکام فورس (ISF) کا قیام عمل میں لائے جسے غزہ میں تعینات کیا جائے اور یونیفائیڈ کمان کے تحت کام کرے، یہ کمان بورڈ آف پیس کو قابل قبول ہوگی، یہ فورس حصہ لینے والے ممالک کے دستوں پر مشتمل ہوگی، یہ عرب جمہوریہ مصر اور ریاست اسرائیل کی قریبی مشاورت اور تعاون سے بنائی جائے گی، اسے حاصل شدہ تمام مینڈیٹ کو مکمل کرنے کی ذمہ داری ہوگی اور بین الاقوامی قانون کے تحت ہوگی۔ وہ بین الاقوامی انسانی قوانین کی بھی پاس داری کرے گی۔ یہ استحکام فورس (ISF) مصر اور اسرائیل کے ساتھ مل کر کام کرے گی اور وہ ان کے موجودہ معاہدات سے تجاوز نہیں برتے گی۔ وہ نئی تربیت یافتہ فلسطینی پولیس فورس کے ساتھ مل کر کام کرے گی۔ وہ سرحدی علاقوں کو محفوظ بنائے گی، غزہ کی سلامتی کو یقینی بنائے گی اور اس کے لیے وہ غزہ کو غیر فوجی علاقہ بنائے گی، اس کے لیے وہ کسی فوج، دہشت اور مزاحمتی ڈھانچے کو تباہ کرنے کی ذمہ داری پوری کرے گی۔ اس کے ساتھ وہ نان سٹیٹ ایکٹرز سے اسلحہ واپس لے گی، شہریوں کا تحفظ کرے گی، اور انسانی بنیادوں پر ہونے والے آپریشنز کی نگرانی کرے گی۔ وہ فلسطینی پولیس فورس کی تربیت کرے گی، اسے مدد فراہم کرے گی وہ ایسے ٹاسک پورے کرے گی جو جامع منصوبہ پر عمل درآمد کے لیے ضروری قرار پائیں گے۔ جیسا کہ استحکام فورس (ISF) کنٹرول سنبھالے گی اور استحکام لائے گی، اسرائیل کی ڈیفنس فورسز غزہ کی پٹی سے نکل جائیں گی۔ اس کے لیے جو معیارات، سنگ میل اور ٹائم فریم طے ہوں گے، وہ غزہ کو غیر فوجی علاقہ بنانے سے مشروط ہوں گے۔ اس کے لیے اسرائیلی فوج اور استحکام فوج میں، ضمانت دینے والے ممالک اور امریکہ طے کریں گے۔ اس کے لیے سیکیورٹی پیرامیٹر طے ہوں گے تاکہ جب تک غزہ مکمل طور پر سیکیور نہ کرلیا جائے اور اس میں کسی بھی قسم کے دہشت گرد گروہ کا عمل دخل نہ ہو سکے۔ استحکام فورس اس وقت تک موجود رہے گی جب تک غزہ کو کسی دہشت گروہ سے خالی نہیں کرا لیا جاتا۔ استحکام فورس کے ذمے ہوگا کہ وہ:

(A) بورڈ آف پیس کی معاونت کرتی رہے تاکہ غزہ میں جنگ بندی کی مانیٹرنگ اور اس پر عمل درآمد ہو سکے۔ اور ایسے انتظامات ہو سکیں جو جامع پلان کے مقاصد کے حصول کے لیے ضروری خیال کیے جائیں۔

(B) بورڈ آف پیس کی تزویراتی راہنمائی میں کام کرے اور اس میں رضا کارانہ فنڈز دینے والے فنڈز دیں۔ جو بورڈ آف پیس کے فنڈنگ اور حکومتوں کے کام آئیں۔

8۔ یہ طے کرتی ہے کہ بورڈ آفس پیس، انٹرنیشنل سول اور سیکیورٹی موجودگی اس قرارداد کے تحت 31 دسمبر 2027ء تک کام کریں گے۔ کونسل اس میں کام کی نوعیت کے مطابق اضافہ کر سکے گی اور مالی وسائل کا فیصلہ بھی دے سکے گی تاکہ اس کے تحت قائم ادارے مزید اختیار حاصل کے ساتھ تعاون اور ارتباط عمل جاری رکھی سکیں۔ مصر اور اسرائیل اس میں تعاون کرتے رہیں گے۔ استحکام فورس کے دیگر رکن ممالک بھی کام جاری رکھ سکیں گے۔

9۔ رکن ممالک سے کہتی ہے اور عالمی تنظیموں سے بھی کہتی ہے کہ وہ بورڈ آف پیس سے تعاون جاری رکھیں تاکہ کسی بھی موقع پر افراد کی ساخت، سامان ضرور یہ اور مالی وسائل اس کی عمل کرنے والی Entities اور استحکام فورس کو معاونت فراہم کرتی رہیں اور وہ اس کے کاموں اور دستاویزات میں تعاون کرتی رہیں۔

10۔ بورڈ آف پیس سے درخواست کرتی ہے کہ وہ کارگزاری کی رپورٹ سلامتی کونسل کے مذکورہ طے شدہ طریقہ کار کے بارے میں ہر چھ ماہ بعد پیش کرے۔

11۔ معاملے پر مکمل نگاہ رکھنے کا فیصلہ کرتی ہے۔

یہ وہ قرارداد ہے جسے امریکہ اور اسرائیل نے مل کر ڈرافٹ کیا ہے۔ اس میں جس بین الاقوامی استحکام فورس کا ذکر ہے، وہ کسی بھی طرح تنازعہ کے غیر جانب دار ملکوں پر مشتمل نہیں ہے۔ قطر، امارات، مصر کو کسی بھی طرح جانبداری سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ انہی ممالک نے سعودی عرب اور امارات سے مل کر غزہ کی تباہی کی بنیادیں رکھیں۔ استحکام فورس اسرائیل کی فوج کے زیر اثر رہے گی۔

یہ قرارداد غزہ میں ایک ایسی نئی جنگ کی بنیادیں رکھ رہی ہے۔ جطس میں اسرائیل کی طرف سے نسل کشی Genocide کا داغ بھی دھو دیا جائے گا۔ ٹونی بلیئر انتظامیہ کے سربراہ ہوں گے اور ٹرمپ بورڈ آف پیس کے سربراہ اور غزہ کے وائسرائے ہوں گے۔ یہ ایک نئی طرز کی نوآبادیات ہوگی جس کا مینڈیٹ سلامتی کونسل نے اس یکطرفہ قرارداد کے ذریعے امریکہ کو دے دیا ہے۔

دامن خیال: مرزا محمد الیاس

عرب حکومتیں فلسطین مخالف رَوِش ترک کرسکیں گی؟

غزہ میں موجودہ جنگ بندی بہت سے سوالات پیدا کر رہی ہے:

کیا عرب حکومتیں حماس دشمنی میں فلسطینیوں کی نسل کشی میں سہولت کار بنی رہیں گی؟

کیا یہ حکومتیں غزہ کو امریکہ و اسرائیل کی مجوزہ ساحلی تفریح گاہ بنانے میں سرمایہ اور سپورٹ فراہم کرتی رہیں گی؟

کیا خون مسلم سرمایہ مسلم سے پانی بن کر بہتا رہے گا؟ کیا تعمیر نو کے عنوان سے فلسطینیوں کو جبری ہجرت پر رضا کارانہ قرار دے کر بے دخل کرنے کا صدر ٹرمپ اور جیرڈ کشنر کا منصوبہ خون سے ساحلی تفریح گاہ کے منصوبوں کی تفصیل لکھے گا؟

سوالات بے حد سنگین ہیں، اب پے در پے ہیں۔ ان کا جواب کون دے گا۔ یہ بات ابھی سے کھل کر سامنے آنے لگی ہے کہ اسرائیل کے دماغوں اور امریکہ کے منصوبوں کی لکھی دستاویز اقوام متحدہ کی قراردادوں کا روپ دھار کر نسل کشی کے جرم کا ارتکاب کریں گی۔

مبصرین ابھی سے کہہ رہے ہیں، عینی شاہد دیکھ رہے ہیں کہ جنگ حماس کے لیے کرنا بند ہے اور فائر اسرائیل کے لیے کرنا جائز ہے۔ یہی ٹرمپ پلان کا عملی جامہ ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ آنے والے دن غزہ کے لیے بین الاقوامی سازشوں سے بھرے ہوں گے۔ اپنے کہلانے والے خاموش تماشائی بنے رہیں گے۔ عالم اسلام تاسف اور افسوس سے سب ہوتے تکتا رہے گا۔ حماس کو پھر میدان سنبھالنا ہوگا۔

ٹرمپ کے 20 نکاتی پروگرام نے یہ کام تو کر دیا ہے کہ دو سال سے جاری جنگ رک جانے سے غزہ میں فلسطینیوں کی نسل کشی رک گئی ہے۔ یہ عارضی ہے یا نہیں۔ اس کا دارو مدار شروع میں اٹھائے گئے سوالات پر ہے۔ ابھی یہ کہنا قبل از وقت ہے کہ ٹرمپ پلان کب تک روبہ عمل رہے گا۔ یہ طے شدہ ہے کہ نتیجہ کچھ بھی ہو، اس سے مشرق وسطیٰ کے حالات تبدیل نہیں ہوں گے۔

جب تک مشرق وسطیٰ میں نو من بھی تیل رہے گا، وہاں رادھا ناچتی رہے گی۔ اب تو ساحلی تفریح گاہ کے انتظامات میں رادھا کا ناچ امریکی و یورپی و عربی تماش بینوں کے لیے سامان راحت فراہم کرتا رہے گا۔ گزشتہ دو سال کی جنگ نما یلغار نے ان رجحانات کو اور بھی مضبوط اور خطرناک بنا دیا ہے۔ اس کا مکمل ادراک غزہ ہی نہیں، تمام عرب مقبوضہ علاقوں کے فلسطینی ابھی سے کر رہے ہیں۔ لیکن وہ ماضی سے مختلف رویے اختیار کر کے غزہ چھوڑنے کے لیے، جبری یا رضا کارانہ، کسی طرح تیار نہیں ہیں۔

اگر اسرائیل کی عینک زدہ نگاہوں سے ماضی کو دیکھا جائے تو بہ ظاہر 7 اکتوبر 2023ء سے۔ واقعات کا آغاز ہوا لیکن اس کے دو مراحل کو دنیا بھول جاتی ہے یا اسے بھلا دیا جاتا ہے۔

فلسطین میں بہت نمایاں تشدد اور عرب حکومتوں، بالخصوص سعودی عرب اور امارات کی مسلم کش پالیسیوں کا آغاز اکیسویں صدی کے آغاز سے ہو گیا تھا۔ ان ممالک کی پسند اور چہیتی فلسطینی اتھارٹی اوسلو معاہدوں میں فلسطینی لہو کا خراج وصول کر کے مسلسل فلسطینیوں کو اسرائیل کی خوشنودی کے لیے تنگ و تاریک زندان خانوں کے حوالے کر رہی تھی۔ پھر فلسطینی انتفادہ سے ابھرنے والی تحریک نے شیخ احمد یٰسین کے بزرگ و متبرک نظریات سے پروان چڑھنا شروع کر دیا تھا۔ جب اس نے جذبوں کو عمل کا روپ دینا شروع کیا تو اسرائیل ڈرون حملوں نے نیا رخ لیا اور شیخ بزرگ کو ان کی وہیل چیئر پر اس وقت ڈرون سے میزائل مار کر شہید کر دیا جب وہ بارگاہِ رب میں حاضری دے کر باہر آ رہے تھے۔

ان کے جانشین ڈاکٹر عبدالعزیز رنتیسی بنائے گئے، قافلہ بڑھتا رہا۔ اسرائیل نے پھر ڈرون میزائل سے حملہ کیا اور ان کو ان کے اہل خانہ سمیت شہید کر دیا۔ دنیا نے دیکھا لیکن آستینِ قاتل پر امریکہ و اسرائیل کے مشترکہ نام دیکھ کر اس نے چپ سادھ لی۔ اہل غزہ دیکھ رہے تھے کہ ان کے لیے قربان کون ہو رہے ہیں۔ اب قرعۂ فال اسماعیل ھنیہ کے نام نکلا۔

اسماعیل ھنیہ کو بخوبی علم تھا کہ یہ عشق کی بازی ہے، ڈرنا جرم ہے۔ ان کی ولولہ انگیزی نے اسرائیل، فلسطینی اتھارٹی، امریکہ اور ان کے داخلی و خارجی مخالفوں کے کانوں میں خوف کی گھنٹیاں بجانی شروع کر دیں۔ ابو ماذن خوف زدہ تھا کہ اب اقتدار نہیں بچے گا۔ جب 2006ء آیا تو بالخصوص سعودی عرب میں الارم بج اٹھے۔ حماس نے انتخابات جیت کر غزہ کی قیادت سنبھالی۔ اسماعیل ھنیہ قائد بنے تو سب سے پہلے سعودی عرب نے فلسطینیوں کی برسوں سے جاری مالی امداد سند کر دی۔ پھر یہ سلسلہ یوں چل نکلا کہ پر امن حماس کو دہشت گرد کہہ کے پکارا جانے لگا۔ امریکہ اور اس کے عرب حواری یک زبان ہو گئے۔ خطرہ تو بہر حال سامنے تھا۔ غزہ مثال بن گیا تو عربوں کی حکمرانی کا تاج لڑکھڑانے لگا۔ ان ایوانوں کو یہ خطرہ اور بھی ہوا ہوتا نظر آیا جب 2011ء میں ''عرب بہار'' چلنے لگی یا اسے قبل از وقت ہوا دے دی گئی۔ شام و یمن بے ترتیب ہوئے۔ ان کی فوجی قوت خانہ جنگی میں ضائع کر دی گئی۔ اپنوں نے اپنوں کی گردنیں کاٹیں۔ حماس ابھی تک محفوظ تھی۔ کسی بھی دہشت گردی میں اس کا شمار تین میں تھا نہ تیرہ میں۔ وہ اہل غزہ کی خدمت میں لگی رہی۔

ایک فرق بہر حال پڑنے لگا تھا۔ اسرائیل غزہ کی مکمل ناکہ بندی کر چکا تھا۔ فوجی حصار اس قدر شدید تھا کہ غزہ کے ساحلوں سے کوئی کشتی بھی نکل سکتی تھی، نہ آ سکتی تھی۔ اب لوگوں کو سمجھ آ رہی تھی کہ 2006ء کی جمہوری و انتخابی جیت بھی قبول نہیں کی جا سکتی۔ 1991ء میں الجزائر کے عوام نے اسلامی سالویشن فرنٹ کو پہلے بلدیات پھر ملکی سطح پر دو تہائی سے زیادہ اکثریت دی تو جنرل خالد نذر آڑے آئے، فرانس نے فرنٹ کا راستہ روکنے میں ان کو استعمال کیا۔ بدامنی بڑھی، شاذلی بن جدید معزول ہوئے، بوضیاف صدر بنائے گئے اور قوم سے نشری تقریر میں ہی قتل ہوئے۔

یہ سارے واقعات عرب حکمرانوں کو خوف میں مبتلا کیے ہوئے تھے۔ حماس کو روکنے کا فیصلہ ہوا۔ در پردہ اسرائیل سے ہاتھ ملائے گئے۔ نیتن یاہو کو متحرک کیا گیا۔ وہ خفیہ طور پر قطر بھی گئے اور ایک ایسے مسلم ملک بھی گئے جہاں کسی اسرائیلی کا آنا یا اس کے اپنے شہری کا جانا گناہ تھا۔ اس گناہ میں بعض سیاستدان اور کچھ ''روشن خیال'' کہے جانے والے علماء بھی شریک ہوئے۔ یہ مشترکہ جوہری گناہ تھا جو بعد میں وفود کے دوروں میں ڈھل گیا۔

اگر اکتوبر 2023ء کو کسی بھی اعتبار سے معیار کے تعین کا طریقہ مان لیا جائے تو اہل مغرب میں اسرائیل ایک ہیرو تھا۔ فلسطین کے لاکھ دعوؤں کے باوجود اسے غاصب اور قابض کے والے چند تھے۔ ابراہام معاہدوں نے اسے مزید دلیر بل کہ شیر بنا دیا تھا۔ اس کو یقین ہو چلا تھا کہ جلد یا بدیر ابراہام معاہدے توسیع کی راہ پر چل نکلیں گے، ریڑھ کی ہڈی سے محروم عرب ممالک کبھی سر تو کیا کمر اٹھا کر بھی اس کی سمت دیکھ نہیں سکیں گے۔ وہ سفارتی محاذ پر امریکی چھتری اور مغرب کی بیساکھی سے چل رہا تھا۔ مختلف ممالک سے معاہدات تجارتی کنٹریکٹ اور وفود کے تبادلے جاری تھے۔ دنیا بھر سے یہودیوں کو لا کر مقبوضہ عرب علاقوں میں بسایا جا رہا تھا۔ ملٹی نیشنل اور ٹرانس نیشنل کمپنیاں اپنے ریجنل دفاتر اسرائیل میں کھول رہی تھیں۔ غرض کہ ہر طرف ہرا ہی ہرا تھا۔ کوئی نہیں کہہ رہا تھا کہ رفاہ بارڈر کو مصر کھول دے۔ اس نے مصر اور غزہ کے درمیان رابطے کی زیر زمین سرنگوں میں پانی چھوڑ دیا تھا تاکہ فلسطینی کسی اسرائیلی حملے کی صورت میں مصر میں داخل نہ ہو سکیں۔

اکتوبر 2023ء کا فلسطینی حملہ اپنے مقاصد میں کامیاب رہا تھا۔ اسرائیل ان تمام مفادات سے محروم ہونے لگا تھا جو اوپر بیان کیے گئے ہیں۔ ابراہام پراسیس کو روک لگ گئی تھی۔ اسرائیل کو دھچکہ لگا تھا کہ 1979ء کا مصر سے اور 1994ء کا اردن سے معاہدہ مطلوبہ اثرات پیدا ہی نہ کر سکا تھا کہ متحدہ عرب امارات، بحرین، مراکش اور سوڈان کی ان معاہدوں کے تحت پیش قدمی سست روی کا شکار ہو گئی تھی۔ وہ تو ''امید سے تھا'' کہ جلد ہی سعودی عرب بھی اسے تسلیم کرنے والوں کی صف میں آن کھڑا ہو گا۔ جب ایران اور سعودی عرب میں سرد مہری کی برف پگھلنے لگی تو یہ مارچ 2023ء تھا۔ تب سعودی عرب نے محسوس

کیا کہ اسرائیل سے ابھی قربت کے دن نہیں آئے۔ اس لیے جلدی کس کام کی ہے۔
تب محسوس ہونے لگا تھا کہ حماس اپنی حکمت عملی میں کامیاب ہو رہی ہے۔ اکتوبر 2023ء میں حماس کے اقدام کی مذمت کرنے والے بحرین اور امارات تھے۔ سعودی عرب خاموش رہا تھا۔ تاہم اس نے حماس کی مالی امداد بحال نہیں کی تھی۔ گویا ابھی بھی فیس سیونگ کی پالیسی بہرحال جاری تھی۔

حماس اکتوبر 23 کے بعد زیادہ تر تنہا کھڑی رہ گئی تھی۔ کہنے کو اس کے ساتھ ایران بھی تھا۔ لیکن عمل کی دنیا خالی تھی۔ جیسے یمن کے حوثی قبائل نے کمال جرأت اور بہادری سے خالی نہ رہنے دیا۔ لبنان کی حزب اللہ خاموش تھی۔ ان میں سے کوئی اس قابل بھی نہ ہوسکا کہ اسرائیل کے خلاف لطیف و نازک سا توازن ہی قائم کر پاتا۔ ان میں سے حوثیوں کے سوا امریکہ کی ناراضی مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ اسرائیل کے مدمقابل ان میں سے کوئی بھی کیا آتا۔ چناں چہ فلسطینیوں کو تنہا چھوڑ دیا گیا۔

جب دو سال کی جنگ نے غزہ کو تباہ اور فلسطینیوں کو بے گھر کر دیا، ان کی کہنے کو 70 ہزار تعداد شہید اور لاکھ سے زیادہ زخمی کر دی گئی، ایران خاموش ہو گیا تھا، حزب اللہ بکھر گئی تھی اور دنیا کی نگاہیں اسرائیل کی نسل کشی پر جمی تھیں۔ فری فلسطین کی صدائیں گونج رہی تھیں۔ عرب کہاں تھے؟ عرب ٹرمپ پلان میں کہیں چُھپ گئے تھے، گم ہو گئے تھے۔ گولی کی آواز اب انہیں خوف میں مبتلا کر رہی تھی۔ اب تین ملکوں قطر، امارات اور سعودی غزہ کی جگہ ساحلی تفریح گاہ (Raveria) میں اپنا اپنا حصہ طلب کر رہے ہیں۔ چوتھا حصہ دار ایلون مسک ہے۔ ان کے نیچے اسرائیل کے رئیل اسٹیٹ کے سرمایہ کار اور ساہوکار ہیں۔ ان کی نظریں غزہ کی سرزمین پر ہیں۔

دنیا پیچھے نگاہ ڈالنے پر تیار نہیں ہے۔ وہاں 1948ء میں عظیم نکبہ کی یادیں ہیں، ساڑھے سات لاکھ فلسطینیوں کے بے گھر کیے جانے، فلسطین سے بے دخل کیے جانے یا شہید کر دیے جانے کے انمٹ نقوش ہیں۔ ان کی قبروں پر آج کا اسرائیل کھڑا ہے۔ اب غزہ کے شہیدوں کی قبروں پر ساحلی تفریح گاہ یا عرف عام میں مشرق وسطیٰ میں مستقل امریکی اڈے اور عیاشی کا لاس ویگاس بنانے کا منصوبہ ہے۔ اگر کچھ بچ رہا تو وہاں دبئی ٹو تعمیر کیا جائے گا۔

ابھی ان عرب ریاستوں کے خیال میں یہ منصوبہ ادھورا ہے۔ ان کے لیے سابقہ تجاویز برائے امن کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ سعودی عرب 2002ء میں ایک ایسے اقدام کی تجویز دے چکا ہے جس سے ''فلسطین عرب تنازعہ'' ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ ٹرمپ پلان میں اس حقیقت کو بہرحال تسلیم کیا گیا ہے کہ غزہ میں فلسطینی موجود ہیں اور یہ کہ ان سے بہرحال بات کرنا ہوگی۔ وہ مذاکرات کی میز پر حماس کی صورت میں بھی موجود ہیں۔ تمام فلسطینی گروہ حماس کے توسط سے مذاکرات کرتے ہیں۔ ابھی تک کوئی گروہ یہ دعویٰ نہیں کر رہا کہ حماس کے بجائے غزہ کے ہم ترجمان ہیں۔ اس کے باوجود ٹرمپ انتظامیہ ہو یا اسرائیل، وہ حماس کی سیاسی اہمیت دیکھتے ہوئے بھی اسے سیاسی نمائندگی کے لیے تسلیم نہیں کر رہے۔ عملی طور پر حماس سے مطالبہ کہ وہ ٹرمپ پلان قبول کر لے یا ختم کر دی جائے گی، اس کی سیاسی حیثیت کا اعتراف ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ اب تک امریکہ اور مغرب کی کوشش رہی ہے کہ اسرائیل کی ساری جنگی قیادت بہ شمول نیتن یاہو کو نسل کشی کے جرائم اور انسانیت کے خلاف جنگی جرائم سے بچایا جائے۔ اس کے ایک حصے کے طور پر عرب ممالک ابراہام معاہدوں کی صورت میں اسرائیل کو بچانے اور فلسطین کو زیر و کرنے میں مصروف ہیں۔ منصوبے یہی ہیں کہ فلسطین کے دو ریاستی حل سے صرف نظر کیا جائے جس کا ٹرمپ منصوبے میں برائے نام ذکر ہے۔ ان حالات کو سامنے رکھا جائے تو فلسطین کی ریاست کو خواب میں تبدیل کرنے کے لیے جملہ اقدامات کیے جا رہے ہیں۔

ایک اور حقیقت کا ادراک مشرق وسطیٰ کی ریاستوں کو ہو رہا ہے کہ لبنان، یمن، شام اور ایران پر حملے امریکی اشیرباد کے بغیر ناممکن تھے تو یہ حملے قطر پر بھی ہو چکے، ان کا نشانہ بحرین، سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک بھی بن سکتے ہیں۔ امریکہ عراق پر نیا حملہ کر سکتا ہے۔ یہ دلیل آسانی سے دی جا سکتی ہے کہ اسرائیل کو اپنے دفاع کا حق حاصل ہے۔ گویا اسرائیل کو تو یہ حق حاصل ہے، کسی اور عرب ملک کو حاصل نہیں ہے۔

ان حالات میں فلسطینیوں کے لیے ابتلا کا دور ابھی تک جاری ہے۔ اسرائیل کو مزید امریکی و مغربی سپورٹ مل سکتی ہے بل کہ کئی حوالوں سے مل رہی ہے۔ اس کی کانگریس اور سینیٹ میں اسرائیل کے حق میں بل اور قراردادیں جب کہ ان ممالک کی مذمت کے مختلف طریقوں پر کام رکا نہیں ہے۔ اور تو اور بنیامین نیتن یاہو کو بار بار امریکہ بلا کر صدر ٹرمپ شاباش دے رہے ہیں۔ ان کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ یہ نہایت ہی الارمنگ کیفیت ہے جسے امریکی ساحلی تفریح گاہ کے لیے خطرناک رنگ اور آہنگ دے کر الزام حماس پر دھرا جا سکتا ہے۔

اگر جنگ بندی قائم رہ پاتی ہے اور ٹرمپ منصوبہ آگے بڑھتا ہے تو دوسرا محاذ گرم ہو جائے گا۔ ٹرمپ دیکھ رہے ہیں کہ اب وقت ابراہام معاہدوں کو توسیع دینے اور اسرائیل کو تسلیم کرانے کا ہے۔ عرب ممالک کو یہ کام کرنے کے لیے قطار در قطار آگے لایا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ پوری عرب لیگ ان معاہدوں میں شامل ہو کر ابراہام لیگ میں ڈھل جائے۔ اس صورت میں القدس کا معاملہ بہت سنگین ہوتا جائے گا۔ پورے مشرق وسطیٰ میں القدس کی بات کرنے والا کوئی نہ رہ سکے گا، یہ بہت خوفناک معاملہ ہوگا جو مسجد اقصیٰ میں ایک بار پھر شدید ہنگامے اور اس کی تباہی کا سبب بن سکتا ہے۔

اب امریکہ ایک اور سمت میں کام کر رہا ہے۔ اس میں ایک منصوبہ انڈیا مڈل ایسٹ یورپ کاریڈور کا ہے۔ اسے ایم ای سی (MEC) کا نام دیا گیا ہے۔ اس میں بھارت سے مشرق وسطیٰ بشمول اسرائیل تا یورپ ایک ریلوے ٹریک بچھانا شامل ہے۔ اس میں بھارت، امارات، سعودیہ، اسرائیل اور یورپ شامل ہوں گے۔ یہ منصوبہ پاکستان کو تنہا کر دے گا۔ سی پیک کو ناکام بنانے میں یہ منصوبہ بہت اہم کردار ادا کرے گا۔ اس کے لیے ابراہام شیلڈ پلان (ASP) بنایا جا رہا ہے۔ اس کے ذریعے اس منصوبے کی سلامتی کے لیے امریکہ براہ راست بھارت سے مل کر کام کرے گا۔ اس کے لیے خلیجی ریاستوں، سعودی عرب، مصر، اردن اور اسرائیل شراکت داری قائم کریں گے۔

ابھی تک یہ واضح نہیں ہے کہ وہ کون سے روٹس ہوں گے جن سے بھارت اور چین کو یورپ سے ملایا جائے گا۔ خلیجی ریاستیں اسرائیل کے ساتھ روابط کو اہم قرار دے رہی ہیں۔ ترکی خود کو ایک متبادل شمالی روٹ کے طور پر پیش کر رہا ہے جو چین کے ساتھ بیلٹ بنائے گا۔ اس طرح سڑک اور ریل کا یہ منصوبہ وسطی ایشیا تک پھیل جائے گا۔

امریکہ اس وقت قطر، امارات، سعودی عرب، بحرین کے ساتھ اپنی فوجی موجودگی مستحکم کر رہا ہے اور اس کے مدنظر اسرائیل کا مفاد مقدم ہے۔ اس کے بعد خلیجی ریاستیں ہیں۔ ذرا تصور کریں کہ پاکستان کہاں کھڑا رہ جائے گا۔ ترکی مزید اہم ہو جائے گا اور نیٹو کی موجودگی کا ضامن ہوگا۔ عرب فلسطین کی بات خیال میں بھی نہیں کریں گے۔

تجزیہ: ابوعبداللہ مرزا

اسرائیلی قابض فوج میں خوف اور موت کی حکمرانی

یوال فشر اسرائیلی فوجی ہے جو غزہ جنگ سے واپس آیا ہے۔ فشر کو ہر چیز، لوگ، سرگرمیاں پوری طرح سے یاد نہیں رہی ہیں۔ وہ اپنے سول دوستوں اور عزیز و اقارب کو پہچاننے کی صلاحیت کھو بیٹھا ہے یا اسے یہ سب یاد کرنے میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کی ذہنی اذیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ غزہ میں کیا ہوا؟ اسے کچھ یاد نہیں ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ اسے تھراپی کی ضرورت ہے۔ ماضی کا ہر منظر مبہم ہے، غیر واضح ہے۔ وہ معذرت خواہ ہے کہ وہ اپنی یادداشت کا بیشتر حصہ کھو بیٹھا ہے، اس کے ہاتھوں میں پسینہ بھرے رہتا ہے۔ اس کی ٹانگیں ہمہ وقت کانپتی ہیں۔ وہ بار بار کہتا ہے: ٹھہرو! ٹھہرو! پھر وہ لمبے لمبے سانس لیتا ہے۔ پھر وہ یہ عمل دھراتا ہے، کسی بھی ورک آؤٹ کو کرتا جاتا ہے۔ وہ کچھ بھی چھپاتا نہیں ہے، اپنی کیفیت بیان کرتا جاتا ہے۔

اس امید کا اظہار کیا جارہا ہے کہ وہ اس ضرورت میں ڈھل جائے گا جسے اس کی کیفیت کے مطابق ترتیب دیا جارہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں اب بھی اپنے دوستوں اور دشمنوں کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں۔ وہ بہت بری طرح سے کیمپ کو یاد کرتا ہے جس میں لوگوں کو مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔

آج لیوی / لیواک کا حوالہ نازی کے بارے میں اسرائیلی معاشرے میں اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ یہ معاشرہ بہت تیزی سے معتل رویوں کے حامل افراد (Sciopaths) اور مایوس مجرمانہ ذہنیت کے لوگوں میں تبدیل ہو رہا ہے۔

اگر اس معاشرے کے حساس ارکان کسی طرح سے ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرسکیں تو انہیں ایک جہنم سے گزرنا ہوگا۔ اس سے مراد یہ ہوگی کہ انہیں بہت محنت کرنا ہوگی تاکہ ایسے افراد انسان اور انسانیت کو سمجھ سکیں، جان سکیں۔

اسرائیل کے لیے ہرگز ممکن نہ تھا کہ وہ بیرونی سرمائے، اسلحہ اور سپورٹ کے بناء باقی رہ پاتا۔ یہ ایسے پہلو تھے جو ان کی طرف سے صرف نظر کا شکار ہوگئے جو فیصلے کر رہے تھے۔ وہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے کرایے کے ایجنٹ تھے۔ اب وہ شدید ذہنی امراض سے دوچار ہیں۔ اگر یہ بیرونی سپورٹ رک جائے یا روک دی جائے تو یہ سب برف بن کے پانی کی طرح بہہ جائیں گے۔

اگر یہ معاشرہ پورے خلوص سے ان حساس اور قابل رحم فوجیوں اور ان کے اہل خانہ کی طرف دیکھے۔۔ انہیں فلسطینی بھی نظر آئیں گے جو ان صہیونیوں کے بیٹوں اور بھائیوں کے ہاتھوں بے دردی سے مار دیے گئے۔ ان کی لاشوں پر شکاری کتے چھوڑ دیے گئے۔ ایسے خوفناک مناظر ان کی نگاہوں سے کس طرح اوجھل ہو سکتے ہیں۔

یہ ان اسرائیلیوں کو ٹراما سنٹروں میں تباہ ہوتے دیکھ رہے ہیں اور شاید ان کو دیر تک ان کو ایسے ہی دیکھنا پڑے۔ اب یوال فشر کو ہی لیجیے۔ اس نوجوان کے لیے ہمدردی کے جذبات نہیں ابھر رہے۔ اس نے جتنے واقعات میں حصہ لیا، فلسطینیوں نے بھی اتنے ہی واقعات میں جانیں گنوائیں، ان کی عزتوں کو پامال کیا گیا، ان کی نگاہوں کے سامنے ان کے نوزائیدہ اور چھوٹے چھوٹے بچوں کے حلقوم کاٹے گئے، ان کی اسی حال میں ویڈیوز بنائی گئیں۔ اسرائیلی فوجی یہ ہولناک مناظر کس طرح سے اپنے ذہنوں سے محو کر سکتے ہیں۔ یوال فشر بھی انہی درندوں میں سے ایک ہے۔

اسرائیلی معاشرہ یقیناً ایک بیمار معاشرہ بن گیا ہے۔ اب اس کے قاتل بیٹے اعتراف جرم کر رہے ہیں۔ اسرائیل کی دہشت گرد فوج کو آپ اختیار کریں گے تو آپ کی کیفیت بھی یوال فشر سے مختلف نہیں ہوگی۔

خبر رساں ادارے اے پی نے ایک جائزہ شائع کیا ہے۔ اس میں بتایا ہے کہ بہت سی رپورٹیں 2024ء اور 2025ء میں پیش کی گئی ہیں۔ ان میں بتایا گیا ہے کہ اسرائیلی فوجی شدید نوعیت کے ٹراما سے دوچار ہیں۔ ان کے ایسے افراد کی تعداد دن بہ دن بڑھ رہی ہے جو Post Traumatic Stress Disease Disorders یعنی (PTSD) میں مبتلا ہیں۔ ان کے علاوہ بہت بڑی تعداد ذہنی مفلوجوں کی فوج میں تبدیل ہوگئی ہے۔ انہیں دو سال مسلسل غزہ میں استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ ان رپورٹوں میں دی گئی تفصیلات کو ذیل میں دیے گئے اثرات میں بیان کیا گیا ہے۔

بڑھتی ذہنی بیماروں کی تعداد: اسرائیل کی وزارت دفاع کے بحالی افواج کے مراکز میں 11,000 ایسے فوجیوں کو رجسٹرڈ کیا جا چکا ہے جنہیں دو سالہ جنگ میں حماس سے مقابلہ میں شدید دماغی زخم آئے ہیں۔ یہ مجموعی فوجیوں کی تعداد کا ایک تہائی بتایا گیا ہے۔

PTSD اور دیگر صورتیں: فوجیوں کی تشخیص میں پہلے نمبر پر ٹراما زدہ (PTSD) والے فوجی ہیں۔ ان میں پریشانی اور ڈیپریشن کی علامات بہت نمایاں ہیں۔ اس کی وجہ مسلسل جنگ میں مصروف رکھا جانا ہے۔ ریزرو فوجیوں کو بار بار مختلف مقامات پر بھیجا گیا ہے۔ ان فوجیوں کو اپنے زخم مندمل کرنے کے لیے بھی مناسب وقت نہیں دیا گیا ہے۔

خودکشی کی بڑھتی شرح: فوجیوں میں خودکشی کرنے والوں کی تعداد بڑھتی رہی ہے۔ 2025ء میں خودکشی کرنے والوں کی تعداد نے الارمنگ صورت حال پیدا کردی تھی۔ بعض صورتوں میں وہ اپنے ساتھی فوجیوں کو ہلاک کرکے خودکشی کرتے تھے۔ ایک فوجی کے خاندان نے بتایا کہ وہ خودکشی کرنے سے پہلے بار بار کہتا رہا کہ ایک بلٹ خفیہ طور پر اسے مار دے گی اور پھر اس نے اپنی جان لے لی۔

سپورٹ اور سٹگما کے مسائل: اس وقت فوج کے لیے سب سے سنگین مسئلہ یہ ہے کہ فوجیوں میں سٹگما (Stigma) اور اس کے پیدا کردہ مسائل بڑھ رہے ہیں۔ ان کی وجہ سے فوجیوں میں مدد لینے کے رجحان میں کمی آتی جارہی ہے۔ اس کے باوجود اسرائیلی فوج یہ کوشش کررہی ہے کہ اس کا کسی نہ کسی طرح مقابلہ کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے کئی بیرونی آرگنائزیشنز کی خدمات بھی مستعار لی گئی ہیں۔ مختلف نوعیت کے تھراپی پروگرام آزمائے جارہے ہیں۔

اخلاقی زخم: ان تمام علامات کے ساتھ فوجی اخلاقی جرائم کے احساس سے بھی بہت پریشان ہیں۔ وہ خود سے اور اپنے قریب لوگوں سے، اپنے کمانڈروں سے سوالات کرتے ہیں کہ جنگ کی ہولناکیوں میں ان کو کیوں دھکیلا گیا۔

سروس پر اثرات: جنگ میں جانے والے فوجیوں میں سے 1100 فوجی ایسے ہیں جو دماغی صحت میں فوری مدد چاہتے ہیں۔ وہ نفسیاتی ٹراما کا شکار ہیں۔

اس صورت حال کو ماہرین نے دماغی صحت کی ہنگامی کیفیت قرار دیا ہے۔ یہ اسرائیل کی فوج کی تباہی کا مسئلہ ہے۔ یہ فوج کہیں جنگ لڑنے کے لیے آئے روز نااہل ہوتی جارہی ہے۔ اس صورت حال کو فرانس کے اخبار LeMonde نے 20 نومبر 2024ء کو بیان کیا تھا۔

اس رپورٹ میں ایک سال کی جنگ میں حصہ لینے والوں کے بارے میں وہی کچھ کہا گیا تھا جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے۔ غزہ کے بارے میں کہا گیا کہ یہ پرامن مقام تھا جہاں سرسبز میدان اور لہلہاتے باغات تھے۔ گھوڑوں کے اصطبل بھی آباد تھے۔

ایک سال کی جنگ کے بعد تل ابیب سے جنوب کی جانب 30 کلومیٹر کے فاصلے پر ایک ڈینی کا رنچ تھا۔ اس میں سینکڑوں فوجیوں کو رکھا گیا تھا جو غزہ جنگ سے واپس آرہے تھے۔ جنگ نے ان کو ٹراما کی پیدا کردہ بیماریوں کا شکار بنا دیا تھا۔

ایک ہفتہ میں کئی بار ان فوجیوں کی انفرادی اور اجتماعی تھراپی کی جاتی تھی۔ اس میں کوشش کی جاتی تھی کہ جنگ کی وجہ سے ان کو ڈراؤنے خوابوں سے کسی طرح نجات دلائی جائے۔ بعض خود کو تھراپی کے لیے پیش کرتے جب کہ بڑی تعداد کو ان کے کمانڈرز لے کر آتے تھے۔ اکتوبر کے وسط میں وزارت دفاع کے ڈائریکٹر جنرل اور اسرائیلی فوج کے جرنیل ایال ضمیر ان فوجیوں کی بحالی کے لیے جزوی فنڈز جاری کرنے پر مامور تھے، انہوں نے اس کیمپ کا دورہ کیا۔ فوجیوں کے علاج کے لیے گھوڑے وہاں لائے گئے تھے۔

الجزیرہ کے نمائندے نے بتایا کہ غزہ کے 36 میں سے 14 ہسپتال جزوی طور پر کام کررہے ہیں۔ عالمی ادارۂ صحت کے مطابق اسرائیل ان ہسپتالوں پر مسلسل بمباری کررہا تھا۔ عالمی ادارہ کے نمائندے نے بتایا کہ غزہ سٹی میں الاھلی ہسپتال میں زیادہ تر ٹراما زدہ مریض لائے جاتے تھے۔ ان کو آئی وی ادویات سپلائی، آئی وی اینٹی بائیوٹکس کے علاوہ لیبارٹری ضروریات بھی دستیاب نہیں تھیں۔ ان کے باوجود علاج جاری تھا۔ نمائندے نے بتایا کہ ٹراما کے مریض اس کثرت سے ہم نے آتے دیکھے کہ ہم پریشان ہوگئے۔ لوگ امید و یاس کے درمیان زندہ تھے۔ ایک طرف اسرائیلی فوجیوں کو ٹراما سے بچانے کے لیے میدان کو سہولتوں سے بھر دیا گیا تھا اور دوسری طرف سہولتوں کا فقدان بحران کی صورت میں سر اٹھائے کھڑا تھا۔

دی ٹائمز آف اسرائیل کی 14 ستمبر 2025ء کی رپورٹ بتا رہی تھی کہ دس ہزار سے زیادہ اسرائیلی فوجی ٹراما زدہ تھے اور اس کی وجہ سے امراض میں مبتلا ہوگئے تھے۔ ان میں سے 20 فیصد ایسے تھے جو جسمانی طور پر بھی متاثر تھے۔

اسرائیل کی وزارت دفاع کے بحالی مرکز کے اعداد و شمار کے مطابق 20,000 سے زیادہ فوجی زخموں سے چور ہوئے تھے۔ وزارت کے مطابق جنگ سے زخمی ہونے والوں کی 56 فیصد تعداد کو بحالی مراکز میں علاج کی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ زخمیوں میں سے 9 فیصد فوجی ایسے تھے جن کو شدید زخمی قرار دیا گیا۔ وہ شدید ذہنی کرب میں بھی مبتلا ہوچکے تھے۔ 56 فوجی 100 فیصدی معذور تھے اور انہیں فوج سے فارغ کردیا گیا۔ 24 زخمیوں کے زخم 100 فیصد سنگین تھے۔ 16 فوجی معذور ہوگئے تھے۔ 99 فوجیوں کی ٹانگیں یا بازو کاٹ دیے گئے تھے۔ فوج کے مطابق 20 ہزار فوجیوں میں سے 45 فیصد جسمانی طور پر زخمی ہوئے تھے۔ ان میں سے 35 فیصد ٹراما زدہ تھے۔ ان میں سے 20 فیصد جسمانی کے ساتھ دماغی صحت سے بھی محروم ہوگئے تھے۔ ان 20 ہزار میں سے 84 فیصد ریزرو فوجی تھے۔ ہر ماہ 600 سے زیادہ فوجی زخمی ہوکر بحالی مرکز آتے تھے۔

دی ٹائمز آف اسرائیل نے رپورٹ کیا ہے کہ اسرائیلی ڈیفنس افواج نے حال ہی میں 922 فوجیوں کے نام شائع کیے ہیں جو حماس کے ساتھ جنگ میں مارے گئے۔ ان میں درجنوں اسرائیل میں سیکیورٹی آفیسرز کی ڈیوٹی پر تھے۔ ان میں سے 331 کے بارے میں کہا گیا کہ سرحدی جھڑپوں میں مارے گئے، 471 فوجی حماس کے ساتھ جنگ میں مارے گئے۔ 58 فوجی آفیسر کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ اسرائیل کی سرحد کے دفاع میں مارے گئے۔ دو فوجی افسر غزہ کی پٹی میں مارے گئے۔ غزہ میں مارے گئے 1200 کو عام افراد قرار دیا گیا۔ حماس 251 کو یرغمال بنا کر غزہ لے گئی۔ حزب اللہ سے جنگ میں دعویٰ کیا گیا کہ 51 فوجی مارے گئے۔ یہ لبنان میں حملے میں کام آئے۔ 15 فوجی مغربی کنارے میں مارے گئے۔

ترکیہ کی خبر رساں ایجنسی انادولو کے مطابق اسرائیل کے دس ہزار فوجی جنگ میں ہلاک و زخمی ہوئے۔ یہ سب غزہ میں مارے گئے۔ ایک اسرائیلی افسر نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ ہمیں مزید دس ہزار تازہ دم فوجیوں کی ضرورت ہے کیوں کہ اتنی تعداد ہی جنگ میں ہلاک و زخمی ہوچکی ہے۔ یہ 3 جون 2025ء کی رپورٹ ہے۔ اسرائیلی فوج کے مطابق اس تاریخ تک 861 فوجی مارے گئے تھے اور 5921 زخمی ہوئے تھے۔

یہ سب اعداد و شمار ابتدائی نوعیت کے ہیں۔ اسرائیلی فوج اپنے ہلاک شدگان کی واضح تعداد نہیں بتاتی۔ جس بڑی تعداد میں فوجی بحالی مراکز لائے جاتے ہیں، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مارے جانے والوں کی تعداد سینکڑوں نہیں بل کہ ہزاروں میں ہوگی۔

واللہ عالم

ٹیچر کے قلم سے: سارہ نبیل

تباہ حال غزہ کے کلاس روم اور بکھرے اساتذہ

یہ اسی سال مارچ کا مہینہ تھا۔ مجھے ایک فون کال ملی۔ مجھے ٹیچر کے طور پر ملازمت کے لیے بلایا جا رہا تھا۔ فالومی اکیڈمی کو اساتذہ کی ضرورت تھی۔ یہ غزہ سٹی کے قریب الرمل میں ایک تعلیمی ادارہ تھا۔ یہاں فائنل ایئر کے طلبہ کو انگریزی پڑھانا تھی۔

مجھے معلوم تھا کہ مجھے ایسے طلبہ وطالبات سے ملنا تھا جو دو سال سے اپنی تعلیم سے دور کر دیے گئے تھے۔ وہ ذہنی طور پر تھکے ہوئے اور اذیت زدہ تھے۔ میرا خود بھی حال ان سے کچھ مختلف نہ تھا۔

مجھے کوئی اندازنہیں تھا کہ انہیں کس طرح اور کیا پڑھایا جائے۔ میں نے جنوبی زیتونہ میں واقع اپنے ٹوٹے پھوٹے گھر کا جائزہ لیا۔ مجھے اپنی کچھ کتب کی تلاش تھی۔

مجھے اپنے کمرے میں سے گرائمر کی چند کتابیں مل گئیں۔ اسرائیل کی بمباری سے پہلے وہ میرے زیر استعمال رہی تھیں۔ میں اسلامک یونیورسٹی آف غزہ میں طالب علم رہی تھی۔ میں نے ان پر جمی گرد صاف کی۔ ان کی حالت کافی خراب ہوگئی تھی۔ گرد نے صفحات کو بری طرح متاثر کیا تھا۔ انہیں اس حالت میں دیکھ کر میں خوف سے کانپ گئی تھی۔

یوں تو یہ کتابیں اپنے مواد کی وجہ سے کچھ زیادہ اہم نہیں رہی تھیں۔ لیکن یہی کتابیں دو زمانوں کے درمیان اب ایک پل کا کام دے رہی تھیں۔ ایک پل جس نے اسرائیل کی نسل کشی (Genocide) اور اب جنگ بندی کے اس زمانے کو آپس میں جوڑ دیا تھا۔

سکول پناہ گاہوں میں اور پناہ گاہیں قتل گاہوں میں تبدیل ہوگئی تھیں۔ میں نے سکول ٹیچر کے طور پر اپنی پہلی ملازمت اگست 2023ء میں شروع کی تھی۔ میں سترہ سال کی تھی اور ابھی خود اپنی ڈگری مکمل کر رہی تھی۔ میں سات بچوں کی کلاس میں انگریزی پڑھا رہی تھی۔ یہ سنٹر میری یونیورسٹی کے قریب ہی تھا۔

کلاس میں بچوں کی عمریں 8 سے 12 سال تھیں۔ وہ سب بہت پیارے بچے تھے۔ ان کی موجودگی نے ہی میرے اندر پڑھانے کے جذبہ کو مہمیز کیا تھا۔

میں ان کی متبادل استاد تھی۔ مجھے انہیں صرف ایک ماہ ہی پڑھانا تھا۔ انہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ میں تعلیمی سال کے آخر تک ان کو پڑھاتی رہوں۔

مجھے یوں لگا کہ علم پہنچانے کے لیے مجھے استاد کے طور پر پڑھاتے رہنا چاہیے۔ ان کے اعتماد میں اضافہ کرنا چاہیے اور انہیں ان سچائیوں سے آگاہ کرنا چاہیے جو ان کو آگے ہی آگے لے جائیں۔

پھر 7 اکتوبر 2023ء آ گیا۔ میرے سارے خواب بکھر گئے۔ سکول ٹوٹ گئے، بموں نے دیواریں اڑا دیں۔ میزائل زندگیاں کھانے لگے۔ یونیورسٹیاں تباہ ہوتی گئیں۔ میری یونیورسٹی کی بھی کوئی دیوار سلامت نہ رہ سکی۔ اسرائیلی جنگی جنون قتل وغارت اور تباہی کی مشین بن گیا تھا۔

جو سکول اس وقت تک بچ رہے تھے، وہ پناہ گاہوں میں تبدیل ہو گئے۔ ان میں پڑھنے والے بچے منوں مٹی میں جا کر سونے لگے۔

اب زندہ رہنا مقصد تھا، تعلیم تو کہیں گم ہو گئی تھی۔ بچے تعلیم سے محروم اور طلبہ وطالبات بکھر گئے تھے۔ پھر 8 نومبر 2023ء کا دن آیا۔ مجھے اور میری ماں کو مغربی رفاہ کی جانب نکلنا پڑا۔ پھر جدوجہد کا کوئی سرا نہیں تھا۔ ہر وقت ادھر سے ادھر اور پھر ادھر سے ادھر جانا معمول بن گیا۔ پھر ہمیں 40 دیگر خواتین کے ساتھ ایک کمرے میں بھر دیا گیا۔ یہ بھی ایک کلاس روم تھا جس میں اب بچے نہیں تھے۔ ہر عمر کی جوان، نوجوان اور بوڑھی خواتین تھیں۔ کوئی روزانہ کے لیے کہیں سے پانی بھر کے لاتیں، کچھ کپڑے دھوتیں۔ کھانا پکانے کے لیے باہر کھلی جگہ جاتا ہوتا۔ سکول کی دیواروں پر بنی خوبصورت تصاویر پر خون کے دھبے اور کہیں گوشت کے لوتھڑے نظر آتے۔ وحشت یوں ٹپکتی گویا کہ آتش فشاں پھٹے جا رہے ہوں۔

ہم میں جو عورتیں تھیں، انہوں نے ڈیسک پر ڈیسک رکھ دیے تھے۔ وہ ان پر دھلے کپڑے سکھانے کے لیے ڈالتیں۔ ہم وہاں اس حال میں چھ ماہ رہے تھے۔ میں تو بھول ہی گئی تھی کہ پڑھنا پڑھانا کیا ہوتا ہے، سکول کیا ہوتا ہے۔ پڑھانے جانے کا تو خیال ہی نہیں آتا تھا۔

پھر 11 مئی 2024ء کا دن آیا۔ میری امی اور میں نصیرات کیمپ کی طرف کسی طرح نکل گئیں۔ اسرائیل کے ٹینک مغربی رفاہ میں داخل ہو رہے تھے۔ ہر طرف صیہونی فوجی دندناتے پھرتے تھے۔

ہر طرف موت تھی اور دہشت تھی۔ ہر سکول اور کالج بم زدہ تھا۔ مجھے یوں لگتا کہ میری غزہ یونیورسٹی زخمی ہے۔ اس کی حسین یادیں کھو چکی تھی۔ اب تو تباہی واحد یاد تھی۔ یوں لگتا تھا کہ شاید کبھی ٹیچنگ بھی کوئی جاب رہی ہوگی۔ میری ہر جنت مجھ سے چھن گئی تھی۔ ہر شے کاٹنے کو دوڑتی تھی۔

جب پہلی جنگ بندی ہوئی، میں اور میری امی نصیرات کیمپ میں ہی تھیں۔ یہ جنوری کے آخری دن تھے۔ شمال کی طرف والی سڑک پھر کھل گئی تھی۔ ہم واپس ہوئے اور ہم نے الرمل میں ایک اپارٹمنٹ کرایے پر لے لیا۔ دو ہفتے گزرے تھے جب مجھے وہ کال ملی جس کا شروع میں ذکر کیا ہے۔ میں ٹیچر کے طور پر طلب کی گئی تھی۔

میں اپنی گرائمر کی کتابیں صاف کرتی اور چند دن تیاری کرتی رہی۔ میں کلاس روم میں داخل ہوئی تو طالبات احترام کے ساتھ کھڑی ہوگئیں۔ ان میں نویں گریڈ کی نو طالبات تھیں۔

ہم نے پہلا دن پیریڈ کا نصف حالات کے بارے میں باتیں کرتے گزارا۔ طالبات بتا رہی تھیں کہ نسل کشی نے ان سے کیا کچھ چھین لیا تھا، کتابیں چھین لی تھیں، پیارے پیارے لوگ چھین لیے تھے۔ گھر ویران کر دیے تھے اور قبریں آباد کر دی تھیں۔

ہر کوئی ماضی کو یاد کر کے اداس تھا، پریشان تھا۔ حال کے بارے میں فکر مند اور مستقبل کے حوالے بات کرنا ہی بے کار مشق کی طرح لگتا تھا۔

میری یہ کوشش رہی کہ اپنی ہر کلاس میں زندگی کا احساس جگاؤں، کتاب پڑھنے پڑھانے کے ساتھ کوئی سرگرمی شروع کراؤں، کہیں خاکے بنواؤں اور کبھی کہانیاں سنوں اور سناؤں جو نسل کشی سے پرے ہوں۔ طالبات خوش ہوتیں، تالیاں بجاتی نظر آتیں اور گرائمر کے مقابلوں میں بھی حصہ لیتیں۔ نجانے کہاں سے مجھے طرح طرح کے خیال آتے۔ طالبات بھی نئے خیال پیش کرتیں۔ مجھے لگا کہ وہ سب زندگی کی جانب لوٹنا چاہتی ہیں، ماضی جو پاس ہی بیٹھا ہوتا ہے، اسے بھگانا چاہتی ہیں۔

یہ تجربہ بہت روح افزاء تھا، جاں فزا تھا۔ یہ زخموں پر انجانا مرہم ثابت ہو رہا تھا۔

پھر جوں ہی میری طالبات اور میں نے نئے راستے بنانے اور تلاش کرنے شروع کیے، ہماری امیدیں بلند تھیں، حوصلے جوان تھے، مجھے اپنے پہلو میں زندگی کی گرمی کو گرمانے لگی، سکون واپس آ رہا تھا۔۔۔ پھر اسرائیل نے ایک مرتبہ پھر تباہی مسلط کرنا شروع کر دی۔

18 مارچ 2025ء کو اسرائیل نے بمباری پھر شروع کر دی۔ اس کے جہازوں نے میزائل برسانے شروع کر دیے۔ رات کے دو بجے تھے جب مسلسل دھماکوں نے بیدار کر دیا۔ ہم سب بالکونی کی طرف لپکے۔ میں دیکھ رہی تھی کہ مسلسل بمباری نے آسمان سرخ کر دیا تھا۔

بے اختیار آنسوؤں نے میری آنکھوں کی راہ دیکھ لی تھی۔ میری ساری امیدیں دم توڑنے لگی تھیں۔ میرے ساتھ طالبات اور میں نے فیصلہ کیا کہ ہم ہار نہیں مانیں گی، ہم نے کلاسیں جاری رکھیں۔ ہم دن بہ دن ایک دوسرے کے بہت قریب آتے گئے۔

پھر ہم نے محسوس کیا کہ ہم محض استاد اور شاگرد نہیں ہیں۔ ہم ایک خاندان ہیں۔ مئی میں میری طالبات نے جان لیا کہ میری منگنی ہوگئی ہے۔ وہ میرے لیے ننھے منھے، چھوٹے بڑے تحفے لے کر آئیں۔ کسی نے ایک مگ دیا، کسی نے سکارف تو کسی نوٹ بک دی۔ ہم سالگرہ منانے لگیں، پھر عید الفطر آئی، ہم نے برستے میزائیلوں کے باوجود مل کر عید منائی۔ رمضان کا مہینہ ختم ہو گیا تھا اور ہم سب کھیل کود رہی تھیں، مٹھائیاں بانٹ رہی تھیں۔

میں محسوس کر رہی تھی کہ وہ امید بھری باتیں بھی کر رہی ہیں اور خوف کے سائے بھی کہیں گھیرے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے امتحانات کے بارے میں بھی اتنی ہی متفکر تھیں جس قدر اپنے ٹوٹتے گھروں کے بارے میں پریشان تھیں۔ وہ کلاس روم کو اپنی جنت، اپنی پناہ گاہ سمجھنے لگی تھیں۔

یہ پہلا موقع تھا کہ مجھے یہ احساس ہوا کہ میری جاب کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن اس کا ایک تاریک پہلو ساتھ ساتھ کہیں چمٹا رہتا۔

میں نے ایک دن دیکھا کہ میری ایک شاگرد کلاس سے غائب ہے۔ وہ نہیں آ رہی ہے۔ وہ شمس تھی، سترہ سال کی شمس مئی 2025ء کے آخر میں کلاس میں نہیں تھی۔

''شمس''۔ تو سورج کو کہتے ہیں۔ وہ کلاس کو ہمیشہ روشن رکھتی، ہنستی کھیلتی شمس۔ وہ دو ماہ بعد واپس آئی۔ اس کے ایک بازو پر مصنوعی طور پر جوڑ لگایا گیا تھا۔ اس کا بایاں بازو شدید زخمی ہوا تھا۔

اس نے مجھے بتایا کہ کس طرح 25 مئی کو غزہ سٹی کے قریب اس کے گھر کے باہر اسرائیل نے فضائی حملہ کر دیا۔ اس حملے میں اس کے بائیں بازو پر شیل لگے تھے، اس کے نرو (Nerves) کو نقصان پہنچا۔ پھر اس کے یکے بعد دیگرے کئی آپریشن کرنا پڑے۔

پھر جون کے شروع میں 17 سالہ کرم زقوت نے آنا چھوڑ دیا۔ کچھ دن بعد ایک بیس سالہ خاتون اکیڈمی آئیں اور بتایا کہ وہ کرم زقوت کی ہمشیرہ ہیں۔ اس نے بتایا کہ وہ شدید زخمی ہوگئی تھیں۔ شیخ رضوان ہسپتال میں علاج کے بعد باہر آئیں تو قریب ہی شیل آن گرا۔ ان کا سر اور بازو دونوں اس نے اڑا دیے تھے۔

اس نے کہا کہ کرم زقوت کے کلاس نوٹس اسے واٹس ایپ کر دیے جائیں، اب وہ پڑھے گی۔ اس نے مجھے گلے لگایا، اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں، چہرہ نجانے مجھے اداس سا لگا۔

میرے ایک شاگرد کو موت لے جاتی اور اس کی جگہ جلد ہی دوسرا شاگرد لے لیتا۔ یہ عزم تھا جو توڑنے والے توڑنا چاہتے تھے لیکن اور بھی یہ مضبوط ہو جاتا۔

پھر مارکیٹیں خالی ہوتی گئیں۔ ایک کلو آٹا 60 ڈالر کا ہو گیا تھا۔ میری ایک بہت محنتی اور غیر معمولی طالبہ 22 سالہ ہالا فروانہ نے کلاس میں آنا چھوڑ دیا۔ جب اس نے آخر کار مجھے پیغام بھیجنا شروع کیے تو پتہ چلا۔ اس نے بتایا: ''مجھے بہت افسوس ہے لیکن اب میں کلاس میں آ نہیں پاؤں گی۔ مجھے قحط نے اچک لیا ہے۔ مجھ میں اتنی ہمت بھی نہیں رہی کہ میں خود سے کھڑی ہو پاؤں۔ میری خواہش ہے کہ ہر شے پھر سے بدل جائے۔''

پھر ایک اور شاگرد احمد امیرہ کلاس میں نہ آ سکا۔ وہ 18 سال کا تھا۔ دس دن بعد وہ آیا۔ اس نے بتایا کہ اسے زہر دے دیا گیا تھا۔

احمد اناج کا ایک ڈبہ لایا۔ اس نے دیکھا کہ اس کی تہہ میں چھوٹے چھوٹے کیڑے تھے۔ کارن ایکسپائر ہو گیا تھا اور جراثیم سے بھرا ہوا تھا۔

ستمبر کے آغاز پر غزہ سٹی ایک مرتبہ پھر اسرائیل کی شدید بمباری شروع ہوگئی۔ بمباری نے میرے شاگردوں کو جنوب کی جانب دھکیل دیا۔ میں شمال میں رہی۔

میری امید اب بھی باقی اور زندہ ہے کہ جلد ہی میری کلاس میں سب آئیں گے۔ احمد امیرہ بھی، کرم بھی اور باقی سب بھی۔ کوئی خود آئیں گے اور کسی کی روحیں!

سارہ نبیل۔ انگلش ٹیچر کے قلم سے

''برہنہ جسم پر آہنی کرسی پر برقی جھٹکے'' لگتا ہے اگلے لمحے روح نکل جائے گی

مسلسل کئی ہفتے 'آہنی تابوت' میں قید رہنے والے نہتے فلسطینی پر صہیونی عقوبت خانوں میں کیا گذری

فاشسٹ صہیونی دشمن کے دو درجن سے زائد زندانوں میں پابند سلاسل فلسطینیوں پر ظلم کے ایسے ناقابل بیان حربے استعمال کیے جاتے ہیں جنہیں سن کر ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ سب تشدد اور اذیتیں فلسطینیوں کا عزم توڑنے اور ان کے حوصلے پست کرنے کی مذموم اور فاشیانہ سازشوں کا حصہ ہے۔ آئے روز صہیونی اذیت گاہوں سے ملنے والی خبروں اور رپورٹس میں لرز خیز واقعات کا پتا چلتا ہے۔

ایسی ہی ایک چونکا دینے والی داستان غزہ کے عماد نہان کی ہے جسے صہیونی زندانوں میں مسلسل پینتیس روز تک بدترین اذیت کا نشانہ بنایا گیا۔ عماد نے اپنی رہائی کے بعد اپنے اوپر ڈھائے جانے والے ظلم وستم کی چونکا دینے والی تفصیلات بیان کیں جو نام نہاد انسانی حقوق کے علم برداروں کے لیے بھی لمحہ فکریہ ہے۔

غزہ کے شہری 'عماد نہان' جب قابض اسرائیلی جیل سدیہ تیمان سے رہائی پانے کے بعد باہر نکلے تو ان کے جسم پر تشدد کے نشانات اور روح پر اذیت کے زخم واضح تھے۔ وہ طوفان الاحرار کے تیسرے تبادلۂ اسیران معاہدے کے تحت رہا کیے گئے، مگر کہتے ہیں کہ ''میں جیل سے آزاد ہوا ہوں، لیکن جیل مجھ سے آزاد نہیں ہوئی۔''

عماد نَہان کو دسمبر 2023ء میں قابض اسرائیلی فوج نے غزہ کی زمینی جارحیت کے دوران گرفتار کیا۔ بعد ازاں انہیں جنوبی اسرائیل میں قائم ایک خفیہ اور غیر قانونی عقوبت خانے سدیہ تیمان منتقل کر دیا گیا، جہاں درجنوں فلسطینی شہریوں کو تفتیش کے نام پر اذیت دی جاتی رہی۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ ''مجھے وہاں قید نہیں کیا گیا، دفن کر دیا گیا تھا۔ میں نے پینتیس دن لوہے کے تابوت میں گزارے، جہاں سانس لینا بھی جرم لگتا تھا۔ ''موسیقی کے کمروں'' کا عذاب عماد نَہان کے مطابق انہیں ابتدائی بارہ دن ایک ایسے کمرے میں رکھا گیا جسے قابض فوجی طنزاً ''موسیقی کا کمرہ'' کہتے تھے۔ یہ جگہ مسلسل شور، چیخوں، دھماکوں اور بلند آوازوں سے بھری رہتی تھی تاکہ قیدیوں کا ذہنی توازن بگڑ جائے۔

''ہمیں نیند سے محروم رکھا جاتا۔ ہر لمحہ بجلی کے جھٹکے، شور اور اندھیرے کا امتزاج تھا۔ انسان کو یوں لگتا جیسے وہ خود اپنی چیخیں سن رہا ہو۔''

عماد نہان نے بتایا کہ قابض تفتیش کاروں نے انہیں برقی کرسی پر بٹھا کر پاؤں میں تار باندھی اور جھٹکوں کے ساتھ سوالات کیے۔ ان سے مزاحمتی تنظیموں اور سرنگوں کے بارے

میں معلومات طلب کی گئیں۔

''تفتیش کاروں نے کہا کہ اگر تعاون کرو تو اپنے گھر والوں سے ملاقات کرا دیں گے۔ میں نے جواب دیا، تم میری زبان سے الفاظ نکال سکتے ہو، مگر میرا ایمان نہیں۔''

کھانے کے نام پر خشک روٹی اور چند گھونٹ پانی دیے جاتے۔ بعض اوقات دنوں تک بھوکا رکھا جاتا تاکہ جسمانی کمزوری ذہنی شکست میں بدل جائے۔

تفتیش کے بعد عماد نبہان کو ایک تنگ آہنی پنجرے میں پھینک دیا گیا۔ وہ کہتے ہیں۔

''یہ قید خانہ نہیں بلکہ ایک تابوت تھا۔ میں نہ سیدھا لیٹ سکتا تھا نہ ہل سکتا۔ دن میں صرف ایک بار پائپ کے ذریعے مائع دیا جاتا۔ میں نے وقت کا احساس کھو دیا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میں زندہ نہیں رہا۔''

اسی عقوبت خانے میں کئی دوسرے قیدیوں کی حالت بگڑ گئی۔ کچھ ہوش کھو بیٹھے، کچھ کی لاشیں خاموشی سے اٹھا لی گئیں۔

بعد ازاں انہیں دیگر جیلوں میں منتقل کیا گیا جہاں حالات بدتر تھے۔ صفائی نہ ہونے کے باعث قیدیوں کے جسم پر زخم اور پھوڑے نکل آئے۔ نبہان بتاتے ہیں:

''کئی اسیر خارش اور انفیکشن سے مر گئے۔ کسی کو دوا نہیں دی گئی۔ گندے کمبل، بھوک اور تعفن نے ہر سانس کو عذاب بنا دیا تھا۔''

قابض تفتیش کاروں نے قیدیوں کے حوصلے توڑنے کے لیے نفسیاتی حربے استعمال کیے۔ عماد نبہان کہتے ہیں۔

''مجھے روز بتایا جاتا کہ میرا خاندان ملبے کے نیچے دب گیا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں ٹوٹ جاؤں۔ مگر میں نے خاموشی کو اپنا ہتھیار بنایا۔''

چند ہفتوں بعد انہیں معلوم ہوا کہ واقعی ان کے کچھ رشتہ دار شہید ہو چکے ہیں، لیکن انہوں نے صبر کو اپنی مزاحمت بنا لیا۔

''ہم بھوک سے لڑتے تھے، مگر ہار نہیں مانتے تھے''

قابض جیلوں میں قیدیوں کو صرف اتنا کھانا دیا جاتا کہ وہ زندہ رہ سکیں۔

عماد نبہان کہتے ہیں ''ہم تینوں معمولی خوراکیں جمع کر کے ایک وقت میں کھاتے تاکہ جسم میں کچھ طاقت باقی رہے۔ بھوک ہماری سب سے بڑی آزمائش تھی، مگر ہم نے کبھی مزاحمت کا خواب نہیں چھوڑا۔''

انہوں نے انکشاف کیا کہ کچھ جیلوں میں اسرائیلی خفیہ ایجنسی اپنے کارندوں کو قیدیوں کے بھیس میں رکھتی ہے۔

''انہیں 'عصافیر' کہا جاتا ہے۔ وہ ہمارے درمیان رہ کر معلومات حاصل کرتے۔ ہم ان سے محتاط رہنا سیکھ گئے تھے۔''

عماد نبہان کی یہ گواہی صرف ایک فرد کی نہیں بلکہ پوری قوم کے زخموں کی کہانی ہے۔ اسرائیلی عقوبت خانوں میں روا رکھے جانے والے یہ مظالم چوتھے جنیوا کنونشن اور انسدادِ تشدد کے بین الاقوامی معاہدے (1984ء) کی کھلی خلاف ورزی ہیں۔

انسانی حقوق کی تنظیموں نے سدیہ تیمان عقوبت خانے میں ہونے والے جرائم کی آزادانہ بین الاقوامی تحقیقات کا مطالبہ کیا ہے۔

اسرائیلی جیلیں اب محض قید خانے نہیں رہے بلکہ وہ زندہ قبریں بن چکے ہیں جہاں فلسطینیوں سے ان کی انسانیت چھینی جاتی ہے۔

عماد نبہان جیسے درجنوں اسیران آج بھی جسمانی طور پر آزاد ہیں مگر ذہنی طور پر ان لوہے کے تابوتوں میں قید ہیں جنہیں دنیا دیکھنے سے انکاری ہے۔

یہ کہانی غزہ کے ایک شخص کی نہیں، بلکہ پوری فلسطینی قوم کی اجتماعی اذیت کا استعارہ ہے۔ جب ایک انسان آہنی تابوت میں زندہ رہنے پر مجبور ہو تو یہ سوال پوری دنیا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ کیا انسانیت واقعی زندہ ہے؟

ہر لمحہ اذیت اور تشدد کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ:

اسرائیلی فاشسٹ ریاست کی قائم کردہ عقوبت گاہوں میں فلسطینی قیدی ایک ایسی تنگ و تاریک دنیا میں پابند سلاسل ہیں جہاں ہر لمحہ درد کی صدائیں گونجتی ہیں۔ اسرائیلی جیلوں کی سرد اور بے روح دیواریں ان کی سانسوں کو بھی قید کر لیتی ہیں اور ہر چھوٹا سا قدم، ہر نگاہ، ایک نہ ختم ہونے والی اذیت کا منبع بن جاتا ہے۔ وہ لوگ جو محض اپنی سرزمین اور اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کرتے ہیں، انہیں ایسی سزا دی جاتی ہے جسے بیان کرنا بھی انسانی الفاظ کے لیے مشکل ہے۔

ان جیلوں میں قیدیوں پر نفسیاتی تشدد کا ہر روز نیا باب لکھا جاتا ہے۔ کبھی رات کے اندھیرے میں کمرے میں داخل ہو کر بے خبر قیدیوں کو جگایا جاتا ہے، کبھی انہیں اپنے پیاروں سے الگ کر کے تنہائی کی ایسی بھیانک کیفیت میں چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وقت کا ہر لمحہ ایک عمر کا سا محسوس ہوتا ہے۔

یہ تنہائی، جو بظاہر خاموش لگتی ہے، لیکن اندر سے روح کو چاٹ جاتی ہے، امیدوں کو دھندلا دیتی ہے اور انسان کو خود سے بھی اجنبی کر دیتی ہے۔

جسمانی تشدد کے قصے تو ایسے ہیں جیسے انسانی جسم کی ہر رگ و پے کو ایک ایک کر کے شکنجہ میں ڈالا جائے۔ مار پیٹ، بجلی کے جھٹکے اور دھکے ایسے معمول بن چکے ہیں کہ قیدیوں کی فریادیں دیواروں سے ٹکرانے کے بعد بھی جواب نہیں پاتیں۔ کبھی قیدیوں کے ہاتھ پیر جکڑ دیے جاتے ہیں اور انہیں بے حس کر دینے والا درد ایک عرصے تک جسم پر نقش رہتا ہے۔ انہیں بھوکا اور پیاسا رکھا جاتا ہے، کبھی پانی تک رسائی محدود کر دی جاتی ہے اور کبھی وہ محدود خوراک بھی نفسیاتی کھیل کا حصہ بن جاتی ہے، جس میں ہر نوالہ ایک اذیت بن کر منہ میں جاتا ہے۔

قیدی خواتین اور بچوں کی کہانی تو اور بھی دل دہلا دینے والی ہے۔ خواتین پر جسمانی اور نفسیاتی تشدد، ان کی آزادی اور عزت کو پامال کرنے کی ایک مسلسل کوشش ہے۔ بچوں کو والدین سے جدا کر کے ایسے ماحول میں رکھا جاتا ہے جہاں خوف ان کے ننھے دلوں کو سمیٹ لیتا ہے۔ ہر دن ایک نئی آزمائش ہے، ہر رات ایک نئی دہشت کا سایہ ہے۔

صہیونی عقوبت خانوں میں فلسطینی قیدیوں پر ڈھائے جانے والے مظالم میں قانونی ذرائع کی بھی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں۔ کئی قیدی سال ہا سال تک بغیر کسی جرم کے قید میں رہتے ہیں اور کسی بھی عدالت میں ان کا مقدمہ سننے کا حق ان سے چھین لیا جاتا ہے۔ یہ ''انتظار کی سزا'' انسان کے اعصاب اور امیدوں کو اتنا مفلوج کر دیتی ہے کہ زندگی کا تصور بھی دھندلا سا لگنے لگتا ہے۔

اس سب کے باوجود فلسطینی قیدیوں کی روحیں ٹوٹتی نہیں۔ وہ اپنے اندر ایک ناقابلِ شکست حوصلے کی شمع جلا کر رکھتے ہیں۔ وہ درد، ظلم اور اذیت کے بیچ بھی ایک انسان ہونے کا حق نبھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے آنسو، ان کے غم اور ان کی خاموش فریادیں ایک عالمی ضمیر کو جھنجھوڑنے کی صدا ہیں۔ وہ ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ انسانیت صرف لفظ نہیں، ایک عملی جذبہ ہے اور ظلم کے سامنے خاموش رہنا بھی اس جذبے کی موت ہے۔

”صہیونی جلاد کہتے تم بھول جائو کہ تم انسان بھی ہو“

بدنام زمانہ صہیونی عقوبت گاہ ’سدی تیمان‘ میں ڈیڑھ سال گذارنے والے فلسطینی صحافی احمد عبدالعال پر کیا بیتی اور اس نے کیا کیا ظلم دیکھے

قابض اسرائیل کے بدنام زمانہ عقوبت خانے ’سدی تیمان‘ میں رات کبھی بھی عام رات کی طرح نہیں تھی۔ وہاں، روشنی کبھی بجھائی نہیں جاتی اور نیند آنکھوں تک نہیں پہنچ پاتی۔ اسی سرد کونے میں ایک فرش پر جو بمشکل جسم کو زمین کی سختی سے بچا پاتا تھا، فلسطینی صحافی احمد عبد العال نے کئی مہینے گزارے، جہاں وقت کا اندازہ صرف اسیران کے کراہنے اور فوجیوں کی آواز سے لگایا جاتا تھا۔

اس کے اردگرد ہر چیز درد سے بھری خاموشی تھی اور چہرے اتنے بدلے ہوئے کہ قید کی شدت نے ان کی اصل پہچان چھین لی تھی۔ احمد کہتے ہیں کہ سردی ہڈیوں میں اتر گئی تھی اور پابندیاں جسم کا حصہ بن گئی تھیں، جو ہفتے میں دو بار صرف چار منٹ کے لیے کھولی جاتی تھیں، یہ چار منٹ ہی تھے جو جسم کے سخت اور جمے ہوئے اعضا کو حرکت دینے کی اجازت دیتے تھے۔

احمد یاد کرتے ہیں ”کوئی بھی حرکت، کوئی بھی نظر، کافی تھی کہ آپ پر مکے برس جائیں یا آنکھوں میں جلن پیدا کرنے والی گیس ڈالی جائے۔“ احمد 13 اکتوبر 2025ء کو طوفان الاقصیٰ کی ڈیل کے تحت قید سے باہر آئے، ایک سال اور نصف قید کے بعد جو مارچ 2024ء میں الشفاء ہسپتال کے کمپلیکس سے شروع ہوئی تھی۔

ڈسکو روم۔۔ بلند آواز میں تشدد:

تفتیش کے مرحلے میں، احمد کو وہ ”ڈسکو روم“ دکھایا گیا، جسے فوجی ایک علیحدہ کمرہ کہتے ہیں۔ یہ کمرہ ہنگامی اور بلند آواز میں عبرانی گانوں سے بھرا ہوتا تھا، بغیر کسی وقفے کے وہاں پر بے ہودہ گانے کانوں کے پردے پھاڑنے والی دھاڑوں کے ساتھ بجتے رہتے تھے۔ مقصد تفریح نہیں بلکہ نیند سے محروم کرنا تھا۔ پانچ راتیں مسلسل احمد ایک دھات کی کرسی سے جکڑا ہوا بیٹھا رہا۔ ہر بار نیند چھانے پر اسے بجلی کے جھٹکے کی تکلیف دی جاتی تھی۔

احمد مرکز اطلاعات فلسطین کے نامہ نگار سے کہتے ہیں کہ ”میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا جو چیختے چیختے بے ہوش ہو گئے اور ایسے جو اپنے آپ سے بات کرتے رہے کیونکہ وہ رات اور دن میں فرق نہیں کر پا رہے تھے۔ میں صبح کے انتظار میں تھا، لیکن صبح کبھی نہیں آئی۔“

وہ مناظر جو کبھی نہیں مٹتے:

احمد کی تکلیف اکیلی نہیں تھی۔ ان کی آنکھوں نے ایک بزرگ آدمی کے عذاب کو محفوظ کیا، جسے بغیر کسی ثبوت کے موت تک تشدد دیا گیا، پھر اسے ایک سیاہ تھیلے میں ڈال دیا گیا، جیسے وہ اسیران کی فہرست میں محض ایک اضافی نمبر ہو۔

احمد اپنے ساتھی محمد ادریس کی کہانی یاد کرتے ہیں جو خون بہتے بہتے مر گیا، جبکہ ایک فوجی ہنس رہا تھا اور ایک نرس سرگوشی کرتے ہوئے کہہ رہی تھی ”اسے مرنے دو۔“

احمد کم آواز میں کہتے ہیں ”وہاں موت اختتام نہیں، بلکہ ایک ایسی غیر موجودگی ہے جو صرف ذلت سے نجات دیتی ہے۔“

امید، مزاحمت کا عمل:

اس سب کے باوجود امید بجھ نہیں پائی۔ تنہائی کی دیواروں کے درمیان اسیران کہانیاں سناتے اور روشنی کی چھید سے باہر کی زندگی کی جھلک دیکھتے۔ مرہم کے پیکٹوں سے انہوں نے دیواروں کو لکھائی کے تختے میں بدل دیا، قرآن کی آیات لکھیں، حفظ کیں اور دوبارہ مٹا کر دوبارہ لکھیں۔ یادداشت ان کا واحد ہتھیار اور ایمان ان کا ذریعہ بقا تھا۔

دنیا سے محرومی:

احمد کی قید کے دوران اسے وکیل سے ملاقات کی اجازت نہیں دی گئی، نہ ہی یہ جاننے کی اجازت دی گئی کہ کیا اس کا خاندان اب بھی امید کی زندگی گزار رہا ہے۔

احمد کہتے ہیں کہ ”سب سے زیادہ دکھ صرف جسمانی درد نہیں، بلکہ ہر پیارے سے دوری ہے، اس کا نام بھی نہیں جاننا، یہاں تک کہ اپنے آپ کو بھی۔“

اسیران کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو گالیاں دیں، جسم سے پہلے عزت کو توڑیں۔ احمد کہتے ہیں ”وہ چاہتے تھے کہ ہم بھول جائیں کہ ہم انسان ہیں۔“

جب آزادی کا دروازہ کھلا، احمد ایک جسم کے ساتھ باہر آئے جو پابندیوں سے نڈھال ہو چکا تھا اور ایک چہرہ جو اتنا بدل گیا تھا کہ اس کا بیٹا پہچان نہ سکا۔

لیکن احمد دل میں اپنے ساتھیوں کے لیے وصیت لے کر آئے ”ان کے بارے میں بات کریں، انہیں تنہا نہ چھوڑیں جب آزادی ان کی دیواروں کے قریب ہو۔“

احمد نے اختتام میں کہا کہ ”وہاں نو ہزار سے زیادہ اسیر ہیں، ہر ایک اپنے چہرے، خواب اور خاندان کے ساتھ جو انتظار کر رہا ہے لیکن قابض اسرائیل ان کو صرف نمبر سمجھتا ہے۔ ہم نمبر نہیں، ہم کہانیاں ہیں جو ابھی ختم نہیں ہوئیں۔“

منظرنامہ: ربیٰ میسون

153 فلسطینی غزہ سے جنوبی افریقہ کیسے پہنچائے گئے!

افغانستان میں امریکی، جنگ میں شکست کھانے کے بعد وہاں سے نکلے تو اپنے ساتھ ان افغانوں کو بھی لے گئے جو اس کے ساتھ مل کر طالبان کے خلاف مختلف نوعیت کی ''خدمات'' سرانجام دیتے رہے۔ آج کل یہ ''خدمات'' کے لیے ''سہولت کاری'' کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

ان افغانوں میں سے پاکستان نے مزید 150,000 افغان کے اہل خانہ سمیت وصول کیے۔ اس وصولی کو امریکی دباؤ پر قبول کیا گیا۔ ایران میں ان کی تعداد 7,80,000 تھی۔ ایران کو 130,000 افغان سہولت کار ملے۔ تاجکستان کو ایک لاکھ، ترکی کو 130,000 ملے۔

اسی طرح یورپی نیٹو ممبرز کو بھی متفرق تعداد میں افغان دیے گئے۔ ان کو اس طرح تقسیم کرنے کا مقصد ان کو طالبان کے کسی بھی قانونی اقدام سے بچانا تھا۔ یہ لوگ امریکہ کے جاسوس تھے۔ ان کو چلی، برازیل، میکسیکو اور ارجنٹائن پہنچایا گیا۔

اب یہ افغان مختلف نوعیت کے عدالتی مقدمات کا سامنا کر رہے ہیں۔ ان پر جنگی جرائم سے لے کر فوجداری مقدمات چلائے جا رہے ہیں۔ ان کو مجرم قرار دیا جا رہا ہے۔ ہالینڈ نے ان کو باقاعدہ نظر بند کر دیا ہے۔ ان پر مقدمہ بھی نہیں چل رہا۔ بہت سے رسوائے زمانہ گوانتانامو بے منتقل کر دیے گئے ہیں۔ ان کو سنگین نوعیت کی قانونی کارروائیوں کے پیش نظر محدود کر دیا گیا ہے۔ آسٹریلیا میں مقدمات چلائے جا رہے ہیں۔ ان کو پناہ گزین کا جو درجہ دیا گیا تھا، وہ بھی قانونی سماعت سے گزارا جا رہا ہے۔ ان میں سے بہت سے پناہ گزین کے درجے سے محروم کر کے ان کو واپس افغانستان بھیجا جا رہا ہے۔ پاکستان نے افغانوں کی بڑی تعداد کو واپس بھیج دیا ہے اور کہا ہے کہ ان کے پاس ضروری دستاویزات نہیں ہیں۔ یہ از خود پاکستان غیر قانونی طور پر آئے تھے۔ یہ افغان مہاجر نہیں ہیں۔

یہ تفصیلات اس لیے بیان کی گئی ہیں کہ جس طرح امریکہ نے اپنے لیے سہولت کاری کرنے والے افغان باشندوں کو طالبان حکومت کے متوقع اور ممکنہ قانونی اقدام سے بچانے کے لیے وہاں سے نکالا تھا، اب وہی کام امریکہ اور اسرائیل غزہ میں کرنے جا رہے ہیں۔ اس کے بہ ظاہر دو مقاصد ہیں۔

1۔ اول یہ دکھانا کہ فلسطینی رضا کارانہ طور پر غزہ چھوڑ کر کسی اور ملک یا مقام جانے پر آمادہ ہیں۔

2۔ دوم یہ کہ جن فلسطینیوں نے امریکہ اور اسرائیل کے لیے اس دو سالہ جنگ میں کسی بھی طرح کی سہولت کاری کی تھی اور فلسطینیوں کو قتل کیا تھا، انہیں نکال لیا جائے۔

اس سلسلے میں آغاز کے طور پر 153 فلسطینی ایک چارٹرڈ طیارے کے ذریعے جنوبی افریقہ لے جائے گئے ہیں۔ ان میں سے 23 افراد مختلف مقامات پر چلے گئے ہیں یا بھیج دیے گئے ہیں۔

جنوبی افریقہ کے صدر سیرل رامافوسا نے کہا ہے کہ جس ''پراسرار'' طور پر ان کو جنوبی افریقہ لایا گیا ہے، اس کی تحقیقات کی جائیں گی کہ ایک چارٹرڈ طیار سے ان کو غزہ سے یہاں کیوں کر اور کس لیے پہنچایا گیا ہے۔

یہ گروپ او آر تامبو انٹرنیشنل ائیر پورٹ پہنچا تھا۔ ان کو پہلے داخلے کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔ ان کو کم و بیش دس گھنٹے طیارے میں ہی رکھا گیا۔ ان کے کسی پاسپورٹ پر کہیں سے بھی ''(خروج Exit)'' کی مہر ثبت نہیں تھی۔

پھر ایک مقامی چیریٹی گروپ کو علم ہوا کہ فلسطینی پراسرار طور پر لائے گئے ہیں تو اس کی مداخلت پر ان کو داخلے کی اجازت دی گئی۔ صدر رامافوسا نے کہا کہ ہم نے ہمدردی اور رحم کے جذبات کے تحت ان کو داخلے کی اجازت دی ہے۔

ابھی تک یہ واضح نہیں ہو سکا کہ یہ کن حالات میں غزہ سے لائے گئے، غزہ میں کوئی ہوائی اڈا بھی اسرائیلی بمباری سے باقی نہیں بچا۔ ایک سٹرپ تھی، وہ بھی ڈھیر ہو چکی ہے۔

صدر رامافوسا نے بتایا ہے کہ یہ طیارہ پراسرار حالت میں پہلے کینیا کے دارالحکومت نیروبی پہنچا۔ وہاں سے لینڈ کرنے کی اجازت نہ ملنے پر جنوبی افریقہ پہنچا۔ جنوبی افریقہ ہی وہ ملک ہے جس نے عالمی عدالت میں اسرائیل کے خلاف نسل کشی کا مقدمہ دائر کیا تھا۔

اسرائیل کی فوج کا ادارہ Cogat غزہ کراسنگ کی نگرانی کرتا ہے۔ اس کے ترجمان نے کہا ہے کہ ''یہ غزہ کے رہائشی ہیں۔ یہ غزہ کی ہوائی سٹرپ یعنی پٹی سے روانہ ہوئے ہیں۔ ان کو ایک تیسرے ملک نے آنے کی منظوری دی تھی۔ اس ملک کا نام نہیں بتایا گیا۔''

جنوبی افریقہ میں فلسطینی اتھارٹی کے سفارت خانے نے بتایا کہ یہ گروپ غزہ کی پٹی سے نہیں روانہ ہوا۔ اسے اسرائیل کے رامون ائیرپورٹ سے روانہ کیا گیا۔ یہ کہنا کہ دارالحکومت نیروبی سے ہوتے ہوئے جنوبی افریقہ پہنچا ہے۔ اس کے لیے اس ملک کو پہلے سے علم نہیں تھا۔

اس سفارت خانے سے ایک بیان جاری کیا گیا ہے جس میں کہا گیا ہے: ''ایک غیر رجسٹرڈ اور گمراہ کرنے والی تنظیم نے غزہ میں ہمارے لوگوں کو غیر انسانی حالات میں رکھا ہوا تھا، ان کے خاندانوں کو دھوکہ دیا گیا تھا، ان سے رقوم وصول کی گئی تھیں اور ان کو اسرائیل میں بے قاعدہ اور غیر ذمہ دارانہ ماحول میں لایا گیا تھا۔''

بی بی سی نے کینیا کی حکومت سے اس پر تبصرہ کرنے کو کہا تو بتایا گیا کہ 153 افراد میں سے 23 افراد نے کہا کہ وہ مختلف منازل کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ جنوبی افریقہ نے بتایا کہ بقیہ 130 افراد اس ملک میں لائے گئے۔

جوہانسبرگ میں ایک تقریب سے خطاب میں صدر رامافوسا نے بتایا کہ ان کو ہوم افیئرز کے وزیر نے اس بحران کے بارے میں آگاہ کیا تھا۔ اس کے جواب میں صدر نے کہا تھا کہ ''ہم ان کو واپس نہیں بھیج سکتے۔ ان کے پاس سفری دستاویزات اور پاسپورٹ تک نہیں ہیں۔ لیکن یہ ایک ایسے مقام سے آئے ہیں جو جنگ سے تباہ حال ہے۔''

اخبار نویسوں نے بتایا کہ جنوبی افریقہ اس سارے معاملے کی مکمل تحقیقات کرے گا، ہر فرد کے بارے میں تفتیش کی جائے گی اور جنوبی افریقہ کے عوام اور دنیا کو اصل حقیقت سے آگاہ کیا جائے گا۔

ہوم افیئرز کے وزیر لیون شرلبر نے صحافیوں کو بتایا ہے کہ جن کے پاس پاسپورٹ ہیں وہ انٹری ویزہ پر 90 دن یہاں رہ سکتے ہیں۔ ان کے پاسپورٹ پر ڈیپارچر کی کوئی مہر بھی نہیں ہے، واپسی ٹکٹ نہیں ہے، کہیں ٹھہرنے یا قیام کرنے کے ضروری ایڈریس بھی نہیں ہیں، سفری دستاویزات بھی موجود نہیں جو ہر سفر کرنے کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ یہ صورت حال ایسی ہے کہ ابتدائی طور پر ان کو داخلے کی اجازت نہیں دی گئی۔

جب یہ طے ہو گیا کہ ان کے پاس ایسی ضروری معلومات نہیں ہیں، یہ بھی ظاہر نہیں ہو رہا کہ یہ کسی قسم کی سیاسی پناہ چاہتے ہیں، جب ان کی رہائش کا انتظام ہو گیا تو ان کو داخلے کی اجازت دے دی گئی اور پھر کہا گیا:

''ان تمام مسافروں کے پاس پاسپورٹ موجود تھے اور فی الحال ان میں سے کسی نے سیاسی پناہ کی درخواست نہیں دی۔''

جنوبی افریقہ کی Chairty Gift of the Givers نے حکام کو یقین دہانی کرائی کہ وہ ان کی رہائش کا انتظام کرے گی۔

جنوبی افریقہ کی سول سوسائٹی آرگنائزیشنز نے اس پراسرار سفر کی مکمل تحقیقات اور تفصیلات منظر عام پر لانے کا مطالبہ کیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ معلوم کیا جائے کہ ان کو کن حالات میں اور کس بنیاد پر نکال کر یہاں بھیجا گیا ہے۔

ان فلسطینیوں میں سے ایک نے مقامی ENCA کے ٹی وی سے بات کی ہے۔ اس نے اس پر اطمینان کا اظہار کیا ہے کہ وہ غزہ سے جنوبی افریقہ پہنچ گیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ یہ ملک امن، قانون اور انصاف کا ملک ہے۔

اس نے مزید کہا:

''ہم غزہ سے آئے ہیں۔ ہم نے روزانہ موت آنکھوں میں ناچتے دیکھی ہے۔ ہم نے دو سال جنگ میں گزارے اور زندہ ہیں۔ اب ہم خوش قسمت ہیں کہ یہاں آ گئے ہیں۔''

اس فلسطینی کے ساتھ دو بچے بھی ہیں۔ گفٹ تنظیم نے صدر رامافوسا سے کہا ہے کہ ہوم افیئرز کی وزارت ان کے اس طرح آنے کی ضرور تحقیقات کرے۔ سرحدی انتظامیہ کو بھی ایسی تفتیش کرنا چاہیے۔ جن مخدوش حالت میں یہ لوگ ہیں، غزہ میں موجود فلسطینیوں کا کیا حال ہو گا؟''

گفٹ آرگنائزیشن ایک مسلم تنظیم ہے۔ اس کے بانی ڈاکٹر امتیاز سلیمان ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ ان سے جو سلوک کیا گیا ہے، اس میں انہیں ائیر پورٹ پر روکے رکھا گیا ہے۔ یہ وہاں گھنٹوں ائیر پورٹ کے ٹارمک پر رہے ہیں۔ انہیں کھانے کو کچھ نہیں دیا گیا، یہ خوراک آخر کار گفٹ نے دی ہے۔ انہیں پھر ہر طرح کی سہولت ان کے جہاز سے اترتے دی گئی ہے۔

جنوبی افریقہ نے برسوں فلسطین کی آزادی اور اس کے لیے لڑنے والوں کی غیر مشروط اور سرگرم حمایت کی ہے۔ 1990ء کے بعد سے یہ حمایت اور بھی نمایاں ہوئی ہے۔ نیلسن مینڈیلا نے فلسطین کے لیے اپنی عمر بھر آواز اٹھائی ہے۔ جنوبی افریقہ کے تقریباً ہر بڑے شہر میں ان کی طرف سے آزاد فلسطین کے لیے مظاہرے، مارچ اور ریلیاں منعقد کی گئی ہیں۔

اسرائیل کے حق میں بھی جلوس نکالے گئے ہیں۔ ان میں عوام کی شرکت بہت کم رہی ہے۔

جنوبی افریقہ عالمی عدالت انصاف میں اسرائیل کی طرف سے اہل غزہ کی نسل کشی کے مقدمہ کا مدعی ہے۔

عالمی یومِ یکجہتی فلسطین
نئ بنیادِ سحر تعمیر ہوگی

International Day of
SOLIDARITY
With The
PALESTINIAN PEOPLE
NOVEMBER 29

غزہ میں پھر سردی، دنیا کی سرد مہری
GAZA
Gaza Strip
suffering from the
COLD SPELL